دسمبر 2020، قیمت :- ₹10

www.urducouncil.nic.in

ماہنامہ

بچوں کی دنیا

نئی دہلی

Monthly BACHON KI DUNIYA, New Delhi

قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش

ماہنامہ اردو دنیا

دہلی

Monthly URDU DUNIYA, New Delhi

تمام تر رنگین صفحات اور دیدہ زیب تصلویر سے مزین ماہنامہ عالمی جریدہ جسے آپ پوری دنیا میں اردو زبان کے کسی بھی ماہنامے سے بہتر پائیں گے۔ اردو کو آج کی دنیا سے جوڑنے والا اور عام اردو قاری اور ادبی حلقوں کی دلچسپی کے ساتھ طلبا و اساتذہ کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھنے والا اردو کا ماہنامہ

ہر شمارے میں پڑھیے، اردو کے ادبی شاہکاروں کے علاوہ، علمی مضامین، ادبی انٹرویو، تاریخ، سائنس، صحافت، نئی کتابوں پر تبصرے، قومی اردو کونسل کی سرگرمیوں، سمیناروں اور فروغ اردو سے متعلق نئی کاوشوں کا احوال اور بہت کچھ!

فی شمارہ: 15 روپے، سالانہ: 150 روپے

اردو زبان میں علم و آگہی کا معتبر ادبی جریدہ

سہ ماہی فکر و تحقیق

قومی اردو کونسل کی منفرد پیش کش

اردو زبان و ادب سے متعلق اہم تنقیدی و تحقیقی موضوعات پر فکر انگیز اور تلاش و جستجو کو صحیح سمت دینے والے مواد کے ساتھ ہر تین ماہ بعد منظر عام پر آنے والا نہایت سنجیدہ علمی مجلّہ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیں!

ہندستانی خریداروں کے لیے سالانہ قیمت: 100 روپے، فی شمارہ: 25 روپے

(قومی اردو کونسل کی ویب سائٹ http://www.urducouncil.nic.in پر بھی دستیاب)

آج ہی اپنے نزدیکی بک اسٹال سے طلب کیجیے یا ہمیں لکھیے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی 110066، فون: 26109746، فیکس: 26108159

E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com , sales@ncpul.in

اس شمارے میں

مدیر کا خط		04
بڑوں کی باتیں	ڈاک خانہ	05
مضامین		
ایک عظیم سائنسداں : بینجمن فرینکلن	محمد خلیل	06
تندرستی ہزار نعمت ہے	سیدہ خدیجہ صغری	08
معذور افراد اور ہمارا معاشرتی رویہ	عابد انور	10
یومِ حقوق انسانی	عشرت جہاں	13
نظمیں		
پیارے بچو	کمار پانی پتی	16
کتاب	سیفی سرونجی	16
بچوں کی دعا	فیض رتلامی	17
سچ اور جھوٹ	رخشاں ہاشمی	18
ابولائے کمپیوٹر	سہیل عالم	18
اٹھو سویرے	نوید اختر پروانہ برہانپوری	19
سچ بولو	حشمت رضا ساحل	19
کہانیاں		
بھائی ٹی ٹی رام	قمر جمالی	20
الہ دین اور ہمزاد	نخشب مسعود	23
تعریف کے لڈو	حلیمہ فردوس	26
کورونا شہزادی	عائشہ سمن	29
موبائل	چشمہ فاروقی	32
رازِ حیات	ڈاکٹر باغبان ہارون رشید	35
ببلو میاں اور دانت کا درد	ڈاکٹر ایاز شاکر ریتھ پوری	38
اعتبار	نیلوفر سعدیہ	42
سیڈبال	توصیف بریلوی	47
ڈراما		
انتظار	ڈاکٹر زین الدین حیدر	50
بچوں کا کتب خانہ		
بچوں کے لیے ہایانون کی دو کتابیں	حقانی القاسمی	52
صحت اطفال		
بچے کی صحت	ستیہ گپتا، مترجم : شمیم نکہت	55
اردو کا جادو		
اردو زبان کا جادو	ادارہ	59
کہکشاں		
ڈاک ٹکٹ کا سفر	سید وحید الدین پیرزادہ	60
چمن چمن کے پھول		61
ننھے فنکار		
بچوں کی پینٹنگ		62

بچوں کی دنیا

جلد: 8 شمارہ: 12 دسمبر 2020

مدیر: ڈاکٹر شیخ عقیل احمد

مدیر منتظم: اجمل سعید

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان

وزارتِ تعلیم، محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومتِ ہند

فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،

جسولہ، نئی دہلی-110025

فون: 49539000

شعبہ ادارت: 49539009-11

ای میل

bachonkiduniya@ncpul.in
editor@ncpul.in

ویب سائٹ

http://www.urducouncil.nic.in

قیمت: /10 روپے، سالانہ /100 روپے

- اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages: 64

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبہ فروخت کے پتہ پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت

ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم

نئی دہلی - 110066

فون: 26109746

ای میل: sales@ncpul.in
ncpulsaleunit@gmail.com

علاقائی مرکز: 110-7-22، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس بلاک نمبر 5-1، پتھرگٹی، حیدرآباد - 500002

فون: 040-24415194

پیارے بچو! آپ شیخ سعدی کے بارے میں جانتے ہی ہوں گے جن کی کتابیں 'گلستاں' اور 'بوستاں' پوری دنیا میں پڑھی جاتی ہیں۔ حکایت ہے کہ ایک دن وہ جمعہ کی نماز پڑھنے کے لیے دمشق کی جامع مسجد کی طرف جارہے تھے، لیکن ذہنی طور پر بہت پریشان تھے۔ کیونکہ ان کے پاؤں میں جوتیاں نہیں تھیں، مگر جب وہ دمشق کی جامع مسجد کے پاس پہنچے تو وہاں دیکھا کہ ایک شخص کے پاؤں ہی نہیں ہیں۔ شیخ سعدی نے فوراً خدا کا شکر ادا کیا کہ میرے پاس جوتیاں نہ سہی مگر پاؤں تو ہیں، اس بے چارے کے پاس تو پاؤں تک نہیں ہیں۔ بظاہر یہ واقعہ بہت چھوٹا سا ہے مگر اس میں کتنی حکمت و دانش ہے۔ اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ انسان کو ہمیشہ اپنے سے کمتر کو دیکھنا چاہیے۔ برتر کو دیکھنے سے زندگی پرسکون نہیں گزرے گی اور وہ ہمیشہ پریشان اور احساس کمتری میں مبتلا رہے گا۔

دوسری بات یہ ہے کہ جو لوگ معذور اور محتاج نہ ہوں، انھیں ہر حال میں خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ تندرستی ہزار نعمت ہے اور دنیا میں آپ کے پاس صحت مند جسم سے زیادہ کوئی بھی چیز قیمتی نہیں ہے۔ آپ کے جسم کا ایک عضو بھی اگر بیکار ہو جائے تو اسے ٹھیک کرنے کے لیے لاکھوں کروڑوں روپے خرچ ہو جاتے ہیں پھر بھی تکلیف بنی رہتی ہے۔ کسی ایک انسانی عضو کی قیمت نہیں لگائی جاسکتی کیونکہ انسانی جسم سب سے زیادہ بیش قیمت ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اگر آپ کو صحت مند جسم عطا کیا ہے تو آپ کو ہر وقت اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور معمولی چیزوں سے محرومی کے لیے شکوہ نہیں کرنا چاہیے۔ آپ ذرا دیکھیے اور یہ سوچیے کہ جو لوگ جسمانی طور پر معذور ہیں انھیں کتنی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے ان تمام لوگوں کو جو صحت مند ہیں، معذوروں کی دیکھ بھال کرنی چاہیے، انھیں جس چیز کی حاجت ہو، وہ انھیں مہیا کرنی چاہیے اور سہارا دینا چاہیے اور انھیں کسی بھی طرح کی اذیت اور تکلیف نہیں دینی چاہیے۔ انھیں حقیر نہیں سمجھنا چاہیے اور انھیں برے ناموں سے نہیں پکارنا چاہیے بلکہ انھیں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھنا چاہیے کیونکہ وہ بھی آپ ہی کی طرح خدا کی مخلوق ہیں۔

پیارے دوستو! دسمبر کے مہینے میں 'یوم معذور' منانے کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ معذوروں کے تعلق سے بیداری پیدا کی جائے۔ معذور لوگوں کے مسائل پر گفتگو کی جائے اور جسمانی اور ذہنی طور پر صحت مند لوگوں کے اندر یہ احساس پیدا کیا جائے کہ وہ معذوروں کی صحیح طور پر دیکھ بھال کریں اور ہر محاذ پر ان کا خیال رکھیں کیونکہ بعض معذور محتاج ایسے ہوتے ہیں جو کسی کے سامنے دست سوال دراز کرنا نہیں چاہتے اور نہ ہی اپنی پریشانیاں بتانا چاہتے ہیں۔ ان کے ساتھ اس طرح کا سلوک کرنا چاہیے کہ وہ بھی اپنے آپ کو سماج سے الگ نہ سمجھیں بلکہ ان میں یہ احساس پیدا کرنا ضروری ہے کہ سماج کی ترقی میں وہ بھی اپنا اہم کردار ادا کرسکتے ہیں کیونکہ دنیا میں بہت سے معذور ایسے بھی ہیں جنھوں نے صحت مند لوگوں سے زیادہ بڑے کارنامے انجام دیے ہیں۔ ایسے لوگوں کی ایک لمبی فہرست ہے جن کی کامیابی اور کامرانی کی راہ میں معذوری کبھی رکاوٹ نہیں بنی بلکہ معذوری نے انھیں ایک نیا عزم و حوصلہ دیا اور انھوں نے دنیا میں ایک ایسی تاریخ رقم کی ہے کہ بہت سے صحت مند لوگ بھی ان کے کارناموں پر عش عش کرتے ہیں۔ ان معذوروں نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ وہ وہ کچھ نہیں کرسکتے بلکہ ہمیشہ یہ احساس رہا کہ ان کے سامنے امکانات کی ایک دنیا ہے اور وہ اپنی قدرتی صلاحیتوں سے ان امکانات میں حقیقت کا رنگ بھر سکتے ہیں۔

آپ کا

عقیل احمد

ڈاکٹر شیخ عقیل احمد

ڈاک خانہ

ماہنامہ بچوں کی دنیا کا تازہ شمارہ (اکتوبر 2020) نظر نواز ہوا۔ ماشاء اللہ نہایت جاذب نظر اور عمدہ ترتیب کے ساتھ خوبصورت کہانیوں، مضامین، نظمیں اور مختلف بہترین تحریروں سے آراستہ ہے۔تمام تخلیقات معیاری اور دلچسپ ہیں۔ رازدان شاہد کا مضمون 'والدین کی خدمت' اور رحیم رضا کی معلوماتی کہانی 'گنبد کا جادو' بہت عمدہ ہے۔اِس شمارے میں زبان شناسی کے عنوان سے بہترین سلسلہ شروع کیا گیا ہے، ان شاء اللہ اِس سلسلے کے ذریعے بچوں کی اردو بہتر بنانے، ذخیرہ الفاظ، زبان کی فصاحت کے ساتھ ساتھ انھیں مختلف طریقوں سے معلومات بھی فراہم ہوگی۔ایسے قیمتی مشمولات کو دیکھ کر احساس ہوتا ہے کہ رسالے کا مقصد تفریح نہیں بلکہ تعلیم وتعمیر ہے۔ رسالے کے مدیر مبارکباد کے مستحق ہیں کہ بچوں کے ذہن، ذوق اور نفسیات پر گہری نظر رکھتے ہوئے خوب سے خوب تر کی جانب گامزن ہیں۔

آصف جلیل احمد، 34/B، چونا بھٹی، مالیگاؤں، مہاراشٹر

اکتوبر کا رسالہ 'بچوں کی دنیا' موصول ہوا ۔ اولین

فرصت میں استوتی اگروال کی لکھی ہوئی کہانی 'فرمانبرداری' پڑھی۔ پڑھ کر سعادت نصیب ہوئی۔ سچ ہے 'باادب بانصیب' اور 'بے ادب بے نصیب'۔ اللہ پاک ہم سبھی کو اپنے والدین اور اساتذہ کی عزت اور تعظیم کی توفیق عطا فرمائے جو کہ ہمارا فرض ہے اور ان کا حق بھی۔ ایک زمانہ تھا جب غیر مسلم شعرا و ادبا کی تعداد سیکڑوں میں ہوا کرتی تھی لیکن اب ایسے شعرانہ کے برابر ہی رہ گئے ہیں استوتی اگروال ہمارے لیے ایک مثال ہیں اور اس بات کا جیتا جاگتا ثبوت بھی ہیں کہ اردو صرف مسلمانوں کی زبان نہیں ہے، بلکہ اِس زبان کو جو اپناتا ہے یہ زبان اسی کی ہو جاتی ہے ۔ مضامین میں انصاری اقرار احمد کا 'گول مٹول جانور' پسند آیا۔ اس شمارے پر بہت بہت مبارکباد۔

شیخ عبدالحمید، روم نمبر 355، ہڈکو کالونی، مالیگاؤں (ناسک)

'بچوں کی دنیا' ستمبر 2020 کا شمارہ دیکھا۔کافی دلچسپ مضامین لکھے ہیں اور کہانیاں بھی بہت لاجواب ہیں اور نظم 'ماں کی اوڑھنی' دل کو بھا گئی۔ ستیہ گپتا، مترجم: شمیم نکہت نے بچوں کی صحت کے متعلق ڈھیر ساری معلومات جمع کردی ہیں۔ کیا ہی بہتر ہوتا کہ مضامین، کہانیاں، نظمیں، کہکشاں کے ساتھ معلوماتی دنیا، اردو پہیلیاں، بوجھو تو جانیں بھی شامل کرلی جاتیں۔ بہرکیف تازہ شمارہ بہت عمدہ ہے۔ میری جانب سے تمام قلمکاروں کو مبارکباد!

محمد حنظلہ، متعلم: عربی سوم، محلہ پچھم، جہاناگنج، اعظم گڑھ، یوپی

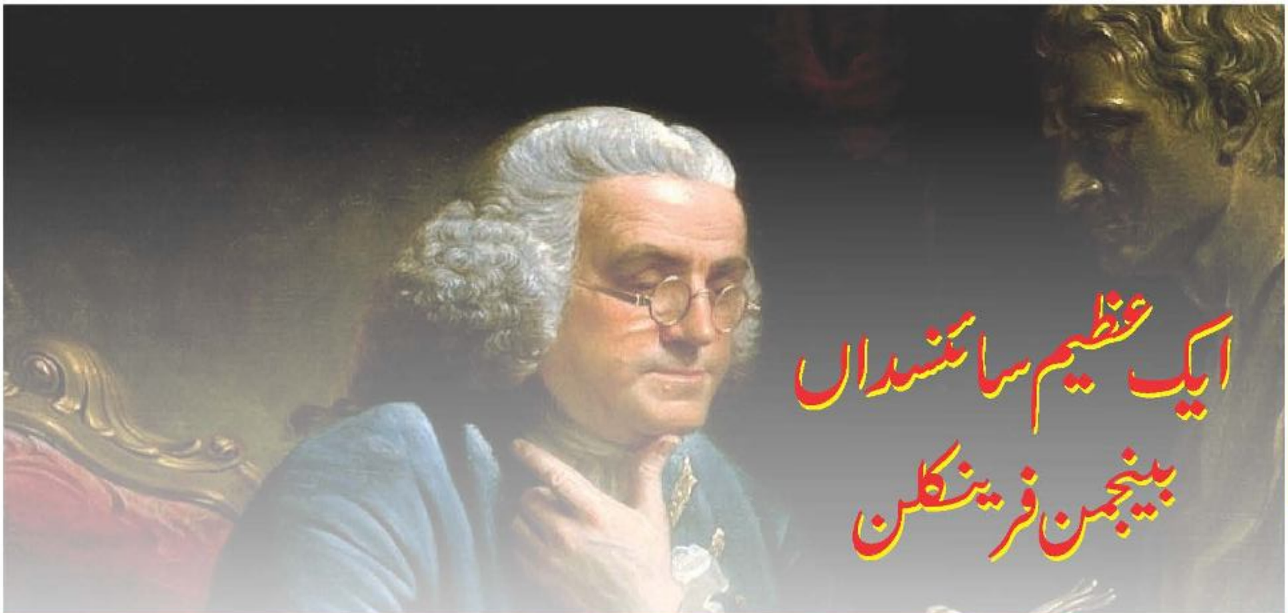

ایک عظیم سائنسداں
بینجمن فرینکلن

محمد خلیل

محمد خلیل اس شخصیت کا نام ہے جس نے اردو میں بچوں کے لیے بہت سے سائنسی مضامین لکھے ہیں۔ وہ مشہور رسالہ 'سائنس کی دنیا' کے مدیر بھی رہے ہیں اور ادب اطفال میں اہم خدمات کے اعتراف میں انہیں ساہتیہ اکادمی جیسے موقر ادارے نے ادب اطفال کے ایوارڈ سے سرفراز کیا ہے۰ وہ آسان اور سلیس زبان میں بچوں کے لیے سائنسی کہانیاں اور مضامین لکھتے ہیں۔ ان کی تقریباً ایک درجن سے زائد کتابیں شائع ہوچکی ہیں جن میں عجیب و غریب جانور، حیوانات کی دلچسپ دنیا، انوکھے پرندے، چچا جان کی سائنسی کہانیاں اور سائنسی ایجادوں کی کہانی قابل ذکر ہیں۔

بینجمن فرینکلن ایک غریب باپ کا بیٹا تھا۔ وہ بوسٹن میں 1706 میں پیدا ہوا۔ ان کے والد صابن اور موم بتی بنانے کا کام کرتے تھے۔ انھوں نے اپنی زندگی ایک پرنٹر کی حیثیت سے شروع کی تھی لیکن بعد میں اپنی کوششوں سے ترقی کر کے سائنسداں اور موجد بن گئے۔ ان کی زندگی کا ایک یادگار واقعہ سنیے۔ یہ واقعہ 1752 کا ہے۔ امریکہ کے ایک شہر فلاڈلفیا کے ایک سنسان میدان میں بینجمن فرینکلن اپنے لڑکے ولیم کے ساتھ جا پہنچے۔ موسم بے حد خراب تھا آسمان پر گہرے بادل چھائے ہوئے تھے۔ بجلی مسلسل چمک رہی تھی۔ بجلی کی گرج ساری فضا میں گونج رہی تھی لیکن فرینکلن کو اسی خراب موسم کا انتظار تھا تاکہ وہ سائنس کا تجربہ کر سکے۔ انھوں نے اپنی تیار کی ہوئی پتنگ جو ریشمی رومال سے تیار کی گئی تھی شاید اس لیے کہ بارش کے اس موسم میں پتنگ بھیگ نہ جائے جس سے اسے اڑایا نہیں جاسکتا تھا۔ اس ریشمی پتنگ میں بھی عام پتنگ کی طرح دم، پھندا اور ڈوری سبھی کچھ تھا لیکن پتنگ کے اوپری سرے پر تیلی سے تقریباً ایک فٹ تانبے کا پتلا تار باندھ دیا گیا تھا۔ پتنگ کی ڈوری سوتی تھی اور ڈوری کے آخری سرے پر ریشمی فیتہ بھی لپیٹا گیا تھا تاکہ اسے آسانی کے ساتھ ہاتھ سے پکڑا جاسکے اور لپیٹے ہوئے ریشمی فیتے کے قریب لوہے کی ایک کنجی باندھی گئی تھی کیونکہ پتنگ اڑانے کے دوران جب اونچائی پر پہنچے گی تو پتنگ اور ڈوری بھیگنے کی وجہ سے وہ بجلی اس کے ذریعے کنجی تک آ پہنچے گی اور اس کا امکان تھا کہ اس وقت کنجی کو ہاتھ سے چھونے پر ہاتھ میں جھٹکا ضرور محسوس ہوگا اور پھر ریشمی فیتہ بھی بھیگنے کے بعد بجلی کا اثر اس پر بھی ضرور پڑے

گا۔ فیتے کو پانی سے بچانے کے لیے دونوں پہلے سے ہی میدان میں سائے دار جگہ میں کھڑے ہوئے تھے۔

پتنگ کو اڑاتے وقت ڈوری کو اس قدر ڈھیل دی گئی تھی کہ وہ کالے بادلوں کے قریب تک پہنچ گئی۔ دونوں بے چینی کے ساتھ بجلی کے چمکنے کا انتظار کرنے لگے۔ اچانک بجلی چمکی اور فضا تھرا اٹھی۔ بارش کی بوندیں گرنے لگیں اس نے ریشمی فیتے کو ہاتھ سے دبا رکھا تھا تاکہ اس پر پانی کے قطرے نہ پڑیں لیکن اچانک اس کی نظر ڈوری پر پڑی جو بھیگ گئی تھی جس کی وجہ سے اس کے ڈھیلے دھاگے کھڑے ہو گئے تھے۔ اس نے اپنے ہاتھ کو ڈوری کے اوپر پھیرا۔ ولیم خوشی سے چیخا۔ ''دیکھیے ڈوری کے دھاگے کھڑے ہوتے جا رہے ہیں۔''

فرینکلن نے ولیم کے ہاتھ میں ڈور دیتے ہوئے کہا ''خطرہ اب قریب آ گیا ہے۔ یہ سنتے ہی ولیم کا دل خوف سے دھڑکنے لگا۔ فرینکلن نے اپنی چھڑی کو کنجی سے چھوا اور چنگاریاں نکل پڑیں اور ہاتھ پر آ گئیں۔ اس نے اپنے پورے جسم میں بجلی کا ہلکا جھٹکا محسوس کیا۔ لیکن اسے کوئی پرواہ نہ تھی وہ بے حد خوش تھا۔ اس نے اپنی انگلی سے لوہے کی کنجی کو چھوا۔ چنگاریاں پھر نکل پڑیں اور پھر اسے شدت کے ساتھ بجلی کا جھٹکا دوبارہ محسوس ہوا اس نے بلند آواز میں کہا ''یہی چنگاریاں بجلی ہیں۔'' اس نے پھر کہا ''آسمان پر چمکنے والی بجلی بھی یہی بجلی ہے۔''

یہ پتنگ اڑانے کا کوئی کھیل نہیں تھا بلکہ پوری دنیا کے لیے ایک نیا تجربہ تھا۔ آج ہم بخوبی واقف ہیں کہ آسمان پر چمکنے والی بجلی اور بجلی کے تاروں پر موجود بجلی دونوں ایک ہی ہے لیکن اس زمانے میں یہ کوئی نہیں جانتا تھا جب دنیا کے سائنسداں ان کی اس دریافت سے واقف ہوئے تو حیرت میں رہ گئے۔

بینجمن نے اس بجلی کا پتہ لگانے کے بعد بادلوں کی بجلی کو بادلوں سے زمین تک لانے کے بارے میں سوچا سب سے پہلے انھوں نے اونچی عمارتوں کو بجلی کے جھٹکے سے محفوظ رکھنے کے لیے لوہے کی سلاخیں لگانے کا طریقہ معلوم کیا اس سے مکان محفوظ رہتا ہے اور پھر وہ زمانہ بھی آیا۔ جب 1753 کے بعد امریکہ میں لائٹنگ کنڈکٹر بنائے گئے جنھیں بعد میں 'فرینکلن چھڑ' کے نام سے پکارا گیا۔ ان کی طبیعت میں بڑی فیاضی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ انھوں نے اپنی ایجاد سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا بلکہ عوام کی خدمت کے لیے دے دیا تھا۔ انھوں نے اپنی کسی ایجاد کو پیٹنٹ نہیں کرایا تھا۔ بائی فوکل آئی گلاس بھی انھیں کی ایجاد ہے جس سے ایسے چشمے تیار ہوئے جس کے ذریعے لوگ کتابوں کو دور اور نزدیک سے پڑھ سکتے ہیں۔ مکانوں میں صحیح طور پر روشن دان نہ لگے ہونے سے وہاں بیماری بڑی تیزی سے پھیلنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس کی دریافت بھی انھوں نے ہی کی۔ ایک زمانہ گزرنے کے بعد بھی ان ایجادوں کا فائدہ آج ساری دنیا اٹھا رہی ہے۔ سائنس کی ان ایجادوں کے بعد ان کا شمار دنیا کے بڑے سائنسدانوں میں ہونے لگا اور انھیں لندن کی رائل سوسائٹی کا ممبر بنایا گیا۔ یہ ایک بڑا اعزاز تھا۔ وہ سائنسداں کے ساتھ سیاستداں بھی تھے اور امریکہ کی جنگ آزادی میں بھی شریک تھے۔ 1790 میں ان کا انتقال ہو گیا لیکن اپنے بڑے کاموں سے وہ ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔

■

Mohammad Khalil
Scientist
H-51, Dr Iqbal Lane
Batla House, Jamia Nagar
New Delhi- 25
Tell.: 011- 26985491 (R)

سیدہ خدیجہ صغریٰ بانو

تندرستی ہزار نعمت ہے

انگریزی کا ایک مشہور مقولہ ہے:

"If money is lost nothing is lost,
if health is lost something is lost"

کسی نے بیمار سے سوال کیا کہ زندگی کی سب سے بڑی غلطی کیا ہے؟ مریض نے جواب دیا اللہ نے صحت دی، مفت میں ملی بیش بہا صحت کی نگرانی نہ کی بلکہ ایک حد تک لاپروائی برتی۔ صحت اللہ کا عطا کردہ انمول تحفہ ہے۔ ہم پر لازم آتا ہے کہ صحت کی قدر کریں اور کڑی نگرانی کریں ورنہ آہستگی سے بغیر محسوس طریقے سے روٹھ کر چلی جائے گی۔ ہمت چلی جائے گی تو واپس لانا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ پیسہ کمانے میں ہم اتنے مگن ہیں کہ صحت جیسی اہم بات کو پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ ہم بھول جاتے ہیں کہ دولت کے حصول میں گنوائی صحت کو دوبارہ پانا کتنا مشکل ہے۔

ایک موقعے پر دلائی لامہ نے دولت کے پجاریوں سے کہا تھا ''انسان اپنی صحت کی قربانی دیتا ہے کہ دولت کمائے۔ لیکن اس کے بعد دولت کو صحت پر قربان کردیتا ہے۔'' اس میں دونوں طرح کی خبر ہے۔ ایک خوش خبری اور دوسری بری خبر۔ خوشی کی خبر ہے کہ مان لو صحت ایک بینک اکاؤنٹ ہے۔ اچھے اور نیک کاموں کے ذریعے بینک بیلنس بڑھا سکتے ہیں۔ اس کو آگے چل کر بہترین موقعوں پر بہترین کاموں میں استعمال میں لاسکتے ہیں۔ یوں تو پیسہ سب کی نہ صرف ضرورت ہے بلکہ ہر کسی کو چاہیے بھی۔ مگر صحت کی قیمت پر نہیں۔ صحت مند جسم ایک خزانہ ہے۔ جسم سے لاپرواہی برتیں، سوچ سمجھ کر خرچ نہ کریں تو یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جمع شدہ پونجی میں کمی واقع ہونے لگے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ختم بھی ہوجائے۔ ایک منٹ کے توقف سے سوچیں کہ کیا روپیہ کو بے سوچے خرچ دیتے جواب نفی میں ہے۔ اک ایک پیسہ خرچ کرتے ہوئے سوچتے ہیں۔ ہمیں پیسہ کی کمی ہرگز برداشت نہیں۔ مگر صحت و تندرستی کے

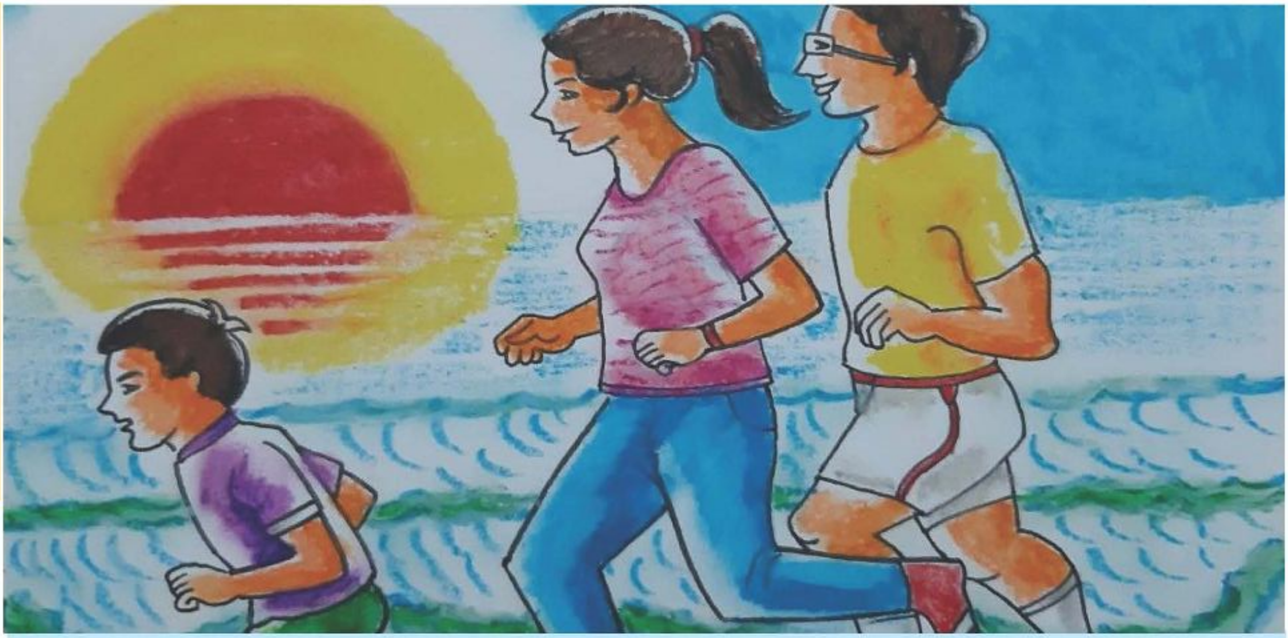

مسئلہ پر ہم آنکھ کیوں چرا لیتے ہیں۔ ایسا اکثر ہوتا ہے کہ بیکار مد پر بھی خرچ کرنے پر تُل جاتے ہیں۔

آیئے ایک سوال ہم اپنے آپ سے کریں تو بہتر ہوگا۔ کیا روپیہ کمانے کی دوڑ میں صحت کو داؤ پر لگانا ٹھیک ہے؟ سوچیے اور جواب دیجیے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ اگر روپیہ چلا گیا تو دوبارہ کما سکو گے؟ کیا کھوئی ہوئی صحت دوبارہ پا سکو گے؟ تندرستی وصحت کی قیمت کسی مریض سے پوچھو تو وہ ضرور کہے گا۔ ''تندرستی ہزار نعمت ہے''

صحت سے لاپرواہی ہرگز نہ برتیں۔ صحت کی عزت کریں۔ صحت کا خیال رکھیں۔ لحاظ کریں۔ صحت بھی ہمارا خیال رکھے گی۔ ایک مرتبہ جب صحت مائل بہ زوال ہو تو اندازہ لگا کر روٹھی صحت کو منا لیں۔ وقت گزر گیا اور پانی سر سے اونچا ہو گیا تو بچاؤ کا وقت بھی نہ ملے گا۔ ''پچھتانے سے کیا ہووے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔''

صحیح وقت میں اپنے آپ کو پہچانیں۔ ضمیر کی آواز پر لبیک کہیں۔ اپنے آپ میں اور طریق زندگی میں سونے جاگنے کے اوقات میں، کھانے پینے میں اہم تبدیلی لائیں۔ ابھی سے اور اسی وقت سے کام پر لگ جائیں۔ کل پر نہ ٹالیں۔ میں نے دیکھا کہ یہ کل شاید ہی ہماری زندگی میں آیا ہو۔ حتیٰ کہ زندگی اپنا مکمل سرکل پار کر چکی ہوگی۔ کامیابی انھیں کے قدم چومتی ہے جو آج کا کام کل پر نہیں ٹالتے۔ ہر منٹ روپیوں سے کئی گنا قیمتی ہے، بلکہ میں کہوں کہ کروڑوں تو کیا دنیا کی ساری دولت دینے کے لیے تیار ہوں تو بھی ایک منٹ واپس نہ لا سکیں گے۔ اس لیے اپنے ضمیر کی آواز پر چلیں۔ جسم کی طرف توجہ دیں۔ صحت بخش غذائیت کی طرف رجوع کریں۔ جسمانی توانائیوں کو جلا بخشیں۔ جسمانی صحت سے دماغی صحت بھی بنی رہے گی۔ مقررہ وقت پر چند منٹ کے لیے ہی کیوں نہ ہو ورزش کر لیں۔ چہل قدمی، گھریلو کام وغیرہ کر کے اپنے آپ کو مصروف رکھا کریں۔ اپنی مدد آپ کی خو کو اپنا لیں۔ دوبارہ سوچ لیں کہ صحت خریدی جانے والی شے یا مستعار ملنے والی چیز نہیں ہے اس لیے صحت کی قدر کریں۔ ■

Syeda Khadija Sughra Bano
Retd Lecturer
6/29, M RK Garden
Jai Nagar (Bangalore)

معذور افراد اور ہمارا معاشرتی رویہ

عابد انور

کوئی بھی انسان کسی بھی مرحلے میں معذور ہوسکتا ہے، کوئی پیدائشی معذور ہوتا ہے تو کوئی حادثاتی طور پر معذور ہوجاتا ہے جس میں اس کا کوئی قصور نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کے ماں باپ کا قصور ہوتا ہے کہ انھوں نے معذور بچہ کیوں پیدا کیا۔ اس کے باوجود معاشرے میں معذور افراد کو کئی مرحلے میں سخت امتیاز کا شکار ہونا پڑتا ہے۔ خاص طور پر معذور اگر لڑکی ہے تو اسے ایک بوجھ سمجھا جاتا ہے۔ والدین اسی فکر میں رہتے ہیں کہ جب تک وہ زندہ ہے اس کی دیکھ بھال کریں گے اگر وہ نہیں رہے تو اس کی دیکھ بھال کون کرے گا۔ حالانکہ وہ ایک انسان ہے۔ جہاں تک معذور افراد کی بات ہے تو ان کے حقوق بھی مساوی ہیں بلکہ کئی مرحلوں میں انھیں خصوصی حقوق حاصل ہیں اس کے باوجود معذور افراد کے تئیں ہمارا رویہ تبدیل نہیں ہوتا ہم انھیں صرف رحم کی نظروں سے دیکھتے ہیں جب کہ انھیں برابر مواقع دیے جانے کی ضرورت ہے۔ اگر انھیں برابر کے مواقع دیے جائیں اور حوصلہ افزائی کی جائے تو وہ بھی کسی سے کم کارنامے انجام نہیں دے سکتے۔ سیکڑوں ایسی مثالیں ہیں جب معذور افراد نے کامیابی کے جھنڈے گاڑے اور نارمل انسانوں سے بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ ان میں کئی سول سروس میں آئے اور کئی ڈاکٹر اور انجینئر بنے، کئی نے کھیلوں میں نام کمایا۔ بس ان کے حوصلوں کی پرواز کو پر عطا کرنے کی ضرورت ہے۔

زیادہ تر ممالک میں، ہر 10 میں سے ایک فرد جسمانی یا دماغی طور پر معذور ہوتا ہے۔ ان میں کچھ حساس لوگ بھی ہیں۔ ’معذوری‘ ایک ایسی اصطلاح ہے جو کسی کی جسمانی، ذہنی اور فکری نشو ونما کو روکتی ہے۔ ایسے افراد کو معاشرے میں ایک مختلف نظریہ کے ساتھ دیکھا جاتا ہے۔ ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن (ڈبلیو ایچ او) یعنی عالمی ادارہ صحت کے مطابق، پوری دنیا میں ایک ارب کے قریب افراد کسی نہ کسی طرح کی معذوری کا شکار ہیں۔

معذور افراد کو ہر میدان میں مساویانہ حقوق اور مواقع دینے کے لیے اقوام متحدہ نے ان کا عالمی دن منانے کا فیصلہ کیا تھا اس کا مقصد معذور افراد کی طرف دنیا کی توجہ مبذول کرنا تھا۔ 1981 کو ادارہ اقوام متحدہ کی جانب سے ’معذور افراد کا بین الاقوامی سال‘ قرار دیا گیا۔ اس بات کا اعلان 1976 میں کیا گیا تھا۔ اس کا مقصد معذور افراد کو سماج میں باز آباد کرنا اور

انھیں ایک باوقار درجہ دلانا بھی تھا۔ یہ ہر سال 3 دسمبر کو بین الاقوامی یوم معذورین کے طور پر منا تا ہے۔اس کے ساتھ ہی 1983-1992 کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کی جانب سے 'معذور افراد کا اقوام متحدہ کا عشرہ یعنی دہائی' قرار دیا گیا تھا۔ بین الاقوامی، قومی اور علاقائی سطح پر، معذور افراد کی بازآبادکاری، روک تھام، تشہیر اور مساوات کے مواقع پر زور دینے کے منصوبے بنائے گئے تھے۔معاشرے میں عام شہریوں کی طرح ان کی مساویانہ حقوق کے لیے لوگوں کو آگاہ کرنا، ان کی صحت کا خیال رکھنا اور ان کی معاشرتی واقتصادی حیثیت کو بہتر بنانا، 'مکمل شراکت اور مساوات' کے موضوع کو معذور افراد کے بین الاقوامی سال کے جشن کے لیے مرتب کیا گیا تھا۔سال 2019 کا مرکزی خیال تھا ''معذور افراد کی قیادت اور شرکت کو فروغ دینا'' اقوام متحدہ کی سرکاری ویب سائٹ کے مطابق، اس سال یوم معذور کا موضوع 'معذور افراد کی قیادت اور ان کی شرکت کو فروغ دینا: 2030 کے ترقیاتی ایجنڈے میں کارروائی کرنا، ہے۔ اس موضوع میں 2030 ایجنڈے میں جامع، مساوی اور پائیدار ترقی کے لیے معذور افراد کو بااختیار بنانے پر توجہ دی گئی ہے، جس کا حل یہ ہے کہ کسی کو بھی پیچھے نہیں چھوڑنا ہے اور معذور افراد کو متنازعہ مسائل کے طور پر تسلیم کرنا ہے۔

حکومت ہند معذور افراد کے اعداد وشمار جمع کرنے، اس کے لیے منصوبے بنانے کے لیے متعدد اقدامات کرتی رہی ہے اور گاہے بگاہے معذور افراد کے زمرے میں اضافہ بھی کرتی رہی ہے تاکہ کوئی معذور فرد چھوٹ نہ جائے اور ان تک معذورین کے فوائد پہنچ جائیں۔ 1981 کی مردم شماری میں معذوری کی 3 اقسام تھیں، 2001 کی مردم شماری میں اس میں اضافہ کر کے 5 اقسام کردی گئیں اور 2011 کی مردم شماری میں اس میں 8 قسم کی معذوری کی نشاندہی کی گئی تھی۔معذور افراد کے حقوق (ترمیمی) قانون، 2016، نے معذوری کی قسمیں بڑھا کر 21 کردی ہیں۔اس کے علاوہ، سپریم کورٹ نے تیزاب کے حملے کے متاثرین کو معذوری کے زمرے میں رکھنے کا حکم دیا ہے۔معذوری کی قسم کے لیے معذوریوں کی تعداد میں اضافے کا مقصد 'معذور افراد کے لیے قومی پالیسی' اور 'معذور افراد کے لیے قانون، '1995 کے مابین ہم آہنگی پیدا کرنا ہے ۔معذور کے آٹھ زمرے یہ ہیں۔نظر کی خرابی: بینائی / بینائی کے عیب میں جزوی اندھا پن یا اندھا پن۔ سماعت کی خرابی: سماعت کی صلاحیت نہ ہونا، بولنے کی خرابی: بولنے میں دشواری۔نقل وحرکت کے نقائص: چلنے میں دشواری۔ذہنی کمزوری: ذہنی معذوری اور ذہنی بیماری۔سیکھنے میں معذوری: سیکھنے میں دشواری۔ مثال کے طور پر: ڈیسکلیسیا (الفاظ یا خطوں کی ترجمانی، پڑھنے میں دشواری) ڈیس گرافیا: ڈیسگرافیا (مستقل طور پر لکھنے میں نااہلی) اور ڈسکیلکولیا (ریاضی کے حساب کتاب کرنے میں عدم استحکام)۔ایک سے زیادہ معذوری: یہ معذوری جسم کے بہت سے حصوں کو متاثر کرتی ہے۔اس کے علاوہ بونا پن بھی ایک معذوری ہے اور ہندوستان میں بونا پن ایک بڑا مسئلہ ہے۔ان کے ساتھ بھی معاشرے کا سلوک کوئی اچھا نہیں ہوتا، ان کا مذاق اڑانا عام بات ہے، اس کی وجہ سے انھیں سخت ذہنی اذیت سے گزرنا پڑتا ہے۔حکومت کے متعدد اقدامات کے نتیجے میں اس میں گرواٹ آرہی ہے ۔2006 میں 48 فیصد کے مقابلے میں، 2016 میں 35 فیصد بچے بونے پن کا شکار ہوئے۔اس میں 20 فیصد کی کمی درج کی گئی۔اس زبردست گراوٹ کے باجود ہندوستان میں 4.06 کروڑ بچے بونے پن کے شکار ہیں۔دنیا میں بونے پن کا شکار بچوں میں سے ایک تہائی بچے صرف

ہندوستان میں رہتے ہیں۔ ان میں سے پچاس فیصد بونے پن کے شکار بچے چار ریاستوں بہار، مدھیہ پردیش، مہاراشٹر اور اتر پردیش میں رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان بونے پن کے شکار بچوں میں سے درج فہرست ذات کے 39 فیصد ہیں جب کہ ذات وقبائل کے 42 فیصد بچے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ درج فہرست ذات وقبائل کے یہاں بونے بچے زیادہ پیدا ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ اہم بنیادی طبی سہولتوں کا فقدان ہوتا ہے اور ماں کو ایام حمل میں وہ ساری چیزیں نہیں مل پاتیں جو صحت مند بچے کی نشو ونما میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔

ہمیں معذور افراد کے تئیں اپنی سوچ، خیال، تصور اور اپنی روایت کو بدلنے کی ضرورت ہے، جب تک ہم اپنے رویے کو نہیں بدلیں گے، اس وقت تک معذور افراد کے تئیں کچھ اچھا کرنے کے متحمل نہیں ہوں گے۔ ہمارے معاشرے میں زیادہ تر لوگوں کو یہ تک نہیں معلوم کہ ان کے گھر کے آس پاس کتنے لوگ معذور ہیں۔ انھیں معاشرے میں مساوی حقوق مل رہے ہیں یا نہیں۔ اچھی صحت اور عزت اور زندگی میں آگے بڑھنے کے لئے انہیں عام لوگوں سے کچھ مدد کی ضرورت ہے لیکن، عام طور پر معاشرے میں لوگ ان کی ساری ضروریات سے واقف نہیں ہیں۔ پوری دنیا کی آبادی میں 15 فیصد لوگ معذور ہیں۔ ان کو سہارا دینے کی ضرورت ہے، چاہے اسکول، یا کالج، یونیورسٹی ہو یا تعلیم گاہیں، کام کرنے کی جگہ ہو یا دیگر جگہیں ہر جگہ انھیں سہارا اور ان کی حوصلہ افزائی کرنے کی ضرورت ہے تاکہ وہ ہر میدان میں اپنا پرچم لہرا سکیں۔ کیوں کہ ہمارے امتیاز اور نظر انداز کرنے والے رویے سے ان کو سخت ذہنی تکلیف پہنچتی ہے۔ ہم انھیں برابر کا موقع دیں اور ان کی بھرپور حوصلہ افزائی کریں تو وہ بھی ایک انسان کی طرح زندگی کے ہر میدان میں نمایاں نظر آئیں گے اور اس سے ان کے تئیں لوگوں کا نظریہ بھی بدلے گا۔

■

Abid Anwar
D-64/10, Abul Fazal Enclave
Jamia Nagar, Okhla
New Delhi- 110025
Mob.: 9810372335
Email.: abidanwaruni@gmail.com

عشرت جہاں

یومِ حقوقِ انسانی

یوم حقوق انسانی ہر سال 10 دسمبر کو پوری دنیا میں منایا جاتا ہے۔ اس کی شروعات اقوام متحدہ نے قریب ستر سال پہلے کی تھی۔ ہر سال اس دن کو منانے کی روایت کے آغاز اور پھر پورے اہتمام کے ساتھ اس کو جاری رکھنے کے پیچھے یہی مقصد کارفرما نظر آتا ہے کہ عالمی سطح پر لوگوں کو حقوق انسانی کے تعلق سے بیدار کیا جائے۔ انھیں اس بات کا احساس دلایا جائے کہ انسانوں کے ایک دوسرے پر حقوق ہیں جن کو نبھانا نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ باہمی حقوق کی تکمیل کی وجہ سے ایک دوسرے کے لیے آسانیاں پیدا ہوتی ہیں اور ایک دوسرے کے کام آنے کے جذبہ کو فروغ ملتا ہے۔ جب کہ حقوق انسانی کو نظر انداز کرنے کے خطرناک نتائج ظاہر ہوتے ہیں۔ لوگ ایک دوسرے سے دور ہوتے چلے جاتے ہیں، مسائل میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ امیر غریب کے کام نہیں آتا، بڑا چھوٹے کی ضرورت پر توجہ نہیں دیتا وغیرہ۔

اگر حقوق انسانی کے دائرے کو دیکھا جائے تو یہ بہت وسیع ہے اور پورے انسانی معاشرے کو اپنی آغوش میں لیے ہوئے ہے۔ اسی لیے حقوق انسانی کے متاثر ہونے کی وجہ سے پورا انسانی معاشرہ متاثر ہو جاتا ہے اور حقوق انسانی کی تکمیل کی صورت میں انسانی سماج کو راحت حاصل ہوتی ہے۔ خاندانی سطح سے لے کر قومی اور بین الاقوامی سطح تک انسان آپس میں جڑے ہوئے ہیں اور ایک کا دوسرے سے سابقہ پڑتا رہتا ہے۔ یعنی باہمی لین دین اور مدد و تعاون کی ضرورت ہر قدم اور زندگی کے ہر موڑ پر پڑتی ہے۔ بچوں کو اپنے والدین کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ وہ ان کی گود میں پرورش پاتے ہیں۔ چھوٹے بچوں کی غذا کی فراہمی اگر ماں باپ نہ کریں تو ان کے لیے بڑے مسائل پیدا ہو جائیں۔ اسی طرح اگر ماں باپ ان کی تعلیم و تربیت کا بندوبست نہ کریں تو بچے اَن پڑھ اور جاہل رہ جائیں گے۔ کہتے ہیں کہ بچہ کا پہلا مدرسہ ماں کی

گود ہوتی ہے ۔یعنی ماں اپنے بچوں کو بہت کچھ سکھاتی ہے، آداب، طورطریق، زبان وبول چال وغیرہ وغیرہ۔اسی طرح ماں باپ کوبھی بچوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ایک تواس لیے کہ بچوں کے بغیر میاں بیوی اپنی زندگی ادھوری سمجھتے ہیں اور ایک عجیب سا احساس انھیں پریشان کرتا ہے۔اسی لیے کہا گیا ہے کہ اولاد ماں باپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہوتی ہے۔یعنی اولاد کے ہونے سے والدین کوسکون حاصل ہوتا ہے اور نہ ہونے سے انھیں اپنی زندگی میں خلا کا احساس ہوتا ہے۔ایسے ہی جب والدین بوڑھے ہوجاتے ہیں اور کمانے کے لائق نہیں رہتے ،تو اولاد پر والدین کا حق ہوتا ہے کہ وہ ان کی دیکھ بھال کریں۔چنانچہ بہت سے لوگ ایسے وقت میں اپنے ماں باپ کی خدمت کرتے ہیں، ان کے کھانے پینے کا انتظام کرتے ہیں اوران کا علاج کراتے ہیں،لیکن بعض لوگ ہماری سوسائٹی میں ایسے بھی ہوتے ہیں جو والدین کے اس حق کا پاس ولحاظ نہیں کرتے ۔ایسی صورت میں والدین کو بڑھاپے میں بہت سی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔اس سے پتہ چلا کہ والدین اوراولاد دونوں کے جو آپسی حقوق ہیں انھیں نبھانا چاہیے۔

خاندانی سطح پر حقوق کی مزید بات کی جائے تو شوہر پر بیوی کے اور بیوی پرشوہر کے بھی حقوق ہیں جن کی تکمیل لازمی ہے۔جب یہ حقوق اچھی پورے کیے جاتے ہیں تو میاں بیوی کی زندگی بہت اچھی طرح گزرتی ہے لیکن جب ان حقوق کو نبھانے میں کمی واقع ہوتی ہے تو پھر ازدواجی زندگی میں پریشانیاں آتی ہیں اور کبھی کبھی یہ رشتہ اتنا تلخ ہوجاتا ہے کہ زندگی ہی بے کیف ہوجاتی ہے اور کبھی کبھی تو میاں بیوی کے درمیان علیحدگی کی نوبت تک آجاتی ہے۔اس لیے ضروری ہے کہ شوہر اپنی بیوی کے حقوق جانے اور بیوی اپنے شوہر کے حقوق سے واقف ہواور پھر ان کی تکمیل کی دونوں کوشش کریں۔ماں باپ اور میاں بیوی کے علاوہ خاندانی دائرے میں دوسرے رشتہ دار بھی آتے ہیں جیسے دادادادی، بھائی بہن، چچا بھتیجے ، ماموں بھانجے ،نانا نانی، خالو خالہ ،پھوپھا پھوبھی

،وغیرہ۔ جس کا جس پر جو حق ہے اسے پورا کرنے کی کوشش کی جائے۔ 'یوم حقوق انسانی' انسان کو اس بات کی یاد دلاتا ہے کہ وہ اپنے تمام رشتہ داروں کے حقوق کو پورا کریں۔ یقیناً ایسا کرنے کی صورت میں یہ بات بڑے اعتماد کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ جس خاندان میں ایک دوسرے کے حقوق کی رعایت کی جائے گی، وہ پُرسکون اور خوشحال ہوگا۔

خاندانی سطح پر حقوق انسانی کے بعد سماجی سطح پر حقوق انسانی کی باری آتی ہے۔ یعنی جس طرح آپس میں رشتہ داروں کے حقوق ہیں اسی طرح سماج کے دوسرے افراد کے بھی کچھ نہ کچھ حقوق ضرور ہیں۔ مثلاً پڑوسی کے پڑوسی پر حقوق ہیں کہ وہ ایک دوسرے کا احترام کریں اور ایک دوسرے کے کام آئیں۔ پڑوسی کی مدد کی ضرورت پڑوسی کو کسی بھی وقت پڑسکتی ہے اور پڑوسی سب سے پہلے پڑوسی کے کام آسکتا ہے، اس لیے کہ وہ بالکل قریب ہوتا ہے۔ چند منٹ اور چند سکینڈ میں اپنے پڑوسی کے گھر پہنچ کر اس کی خبرگیری کرسکتا ہے اور اس کی بروقت مدد کرسکتا ہے۔ اسی طرح محلہ میں رہنے والے لوگ بھی ایک دوسرے کے کام آسکتے ہیں۔ اگر محلّہ میں کوئی کمزور ہے یا مدد کا محتاج ہے تو محلّہ داروں پر اس کمزور شخص کا حق ہے کہ وہ اس کی حتی الوسع مدد کریں۔ دوست اور احباب کے بھی باہمی حقوق ہیں، انھیں بھی آپس میں ایک دوسرے کے حقوق کی پاسداری کرنی چاہیے۔ انسانی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو غریبوں کا امیروں پر حق ہے کہ امیر حضرات غربا کی مدد کریں۔ اگر خود اچھا کھا پی رہے ہیں تو یہ بھی دیکھیں کہ ان کے آس پاس کچھ لوگ ایسے تو نہیں ہیں کہ انھیں کھانا ہی میسر نہ ہو، اپنا پیٹ بھر لینا اور بھوکوں کو کھانا نہ کھلانا حقوق انسانی کے خلاف ہے۔ ایسے ہی بیماروں کا صحت مندوں پر حق ہے کہ وہ ان کی تیمارداری کریں، انھیں بیماری سے لڑنے کا حوصلہ دیں اور اگر ضرورت ہو تو ان کے علاج کا انتظام بھی کریں۔ جو لوگ تعلیم یافتہ ہیں، وہ جہاں تک ہوسکے، اَن پڑھ لوگوں اور بچوں کو تعلیم دیں تاکہ تعلیم کی روشنی دوسرے لوگوں کو بھی حاصل ہو۔ ہم وطنوں کا بھی ہم وطنوں پر حق ہے۔ اس کی بھی پاسداری ہونی چاہیے۔ عوام کا سرکار پر اور سرکار کا عوام پر حق ہے۔ اور انسانی نقطۂ نظر سے جو بھی انسان تعاون کا مستحق ہو اس کا اس پر حق ہے جو اسے پورا کرسکتا ہے خواہ اپنے علاقے کا ہو یا دوسرے علاقے کا، اپنے ملک کا ہو یا دوسرے ملک کا۔

اگر کہیں کوئی ناگہانی آفت نازل ہوجائے، زلزلہ یا سیلاب آجائے، یا کوئی بیماری پھیل جائے اور اس سے لوگ متاثر ہوں تو ان کی دادرسی اور بازآبادکاری کے لیے تمام انسانوں کو اپنی اپنی وسعت کے مطابق آگے آنا چاہیے اور اس حوالے سے علاقہ، برادری، ملک وغیرہ کی تفریق نہیں کرنی چاہیے۔ کیونکہ ناگہانی یا آسمانی آفتیں اور بلائیں کسی پر بھی آسکتی ہیں، تو پھر ایسے میں سب لوگ راحت رسانی میں بڑھ چڑھ کر حصہ کیوں نہ لیں۔ جن کے گھر اجڑ گئے ہیں ان کی ازسرِنو تعمیر کیوں نہ کرائیں اور جو بے روزگار ہوگئے ہیں ان کو روزگار دلانے کے لیے کیوں نہ تعاون کریں۔ یاد رکھیں کہ انسان بہرحال انسان ہے اور قابل تکریم وتعظیم ہے۔ اسے بلاتفریق مذہب وملت اور خطہ وملک یہ حق ملنا چاہیے۔ 'یوم حقوق انسانی' کو منانے کا حقیقی مقصد اسی وقت پورا ہوگا جب کہ لوگ اپنے اندر یہ جذبہ پیدا کریں اور عملی طور پر ہر حق ادا کریں۔

■

Ishrat Jahan
Tanda Rampur- 244925 (UP)
Mob.: 9310068594

پیارے بچو!

کمار پانی پتی

پھول ہیں جس کے ہم وہ چمن ایک ہے
بانکپن اُس کا، اُس کی پھبن ایک ہے
اُس کی آب و ہوا کا چلن ایک ہے
اُس کی تہذیبِ گنگ و جمن ایک ہے

نام ہے اُس گلستاں کا ہندوستاں
ایک ہے اس کا پیارا ترنگا نشاں
تیر ترکش میں ہیں اَن گنت، اک کماں
ساتھ میرے سبھی مل کے بولو کہ ''ہاں''!

لاکھ آپس میں ہم سب جھگڑتے رہیں
اپنے اپنے اصولوں پہ اڑتے رہیں
دم بدم اینٹھتے اور اکڑتے رہیں
ما و تو کے جھمیلوں میں پڑتے رہیں

سامنے دشمنوں کے سبھی ایک ہیں
صاف دل صاف نیت سبھی نیک ہیں

■

Dr. Kumar Panipati
1375/MIG-B, Sector 11-12
New Housing Board Colony
Panipat- 132103 (Haryana)
Mob.: 9253193704

کتاب

سیفی سرونجی

سیفی سرونجی ارو کے معروف شاعر، ادیب اور نقاد هیں۔ ان کی تقریباً 75 کتابیں شائع هوچکی هیں۔ وه سرونج مدهیه پردیش سے شائع هونے والے رساله 'عالمی انتساب' کے مدیر هیں جس کے کئی خصوصی شماروں کی گونج ادبی حلقوں میں هے۔وه بچو ںکے لیے بھی تواتر کے ساتھ لکھتے رهے هیں۔

لایا مزہ حیات میں پڑھنا کتاب کا
دیکھا عجیب ہم نے کرشمہ کتاب کا
بچپن مرے قریب سے ایسے گزر گیا
جیسے کہ بچّہ پھاڑ دے پنّا کتاب کا
رکھا ہے میرے پاس حفاظت سے آج بھی
اس نے دیا تھا جو کبھی تحفہ کتاب کا
تنہائیوں کی جنگ میں ہتھیار ہے یہی
تلوار سے بلند ہے درجہ کتاب کا
دل توڑنا کسی کا گناہِ عظیم ہے
یہ واقعہ ہے دوستو سچا کتاب کا
کیا پوچھتے ہو راز مری شہرتوں کا تم
جو کچھ ملا ہے مجھ کو ہے صدقہ کتاب کا
سیفی نہیں ہے ایک اکیلا جہان میں
عاشق ہے آج سارا زمانہ کتاب کا

■

Saifi Sironji
Quaterly "Intesab"
Sironj - 464228 (Madhya Pradesh)

بچوں کی دعا

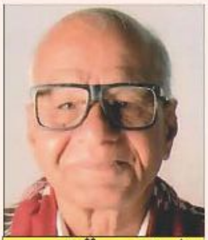

فیض رتلامی

فیض رتلامی مشہور شاعرہیں۔ ریلوے کی ملازمت سے وابستہ تھے۔ ان کے فلمی اور غیرفلمی گیت کئی اہم غزل گلوکاروں نے گائے ہیں جن میں مہندر کپور، جگجیت سنگھ، استاد احمد حسین اور استاد محمد حسین، انوپ جلوٹا کے نام لیے جاسکتے ہیں۔ ان کے کیسٹ سحر، سرمایہ، میرے داتا غریب نواز اور ان کی کئی قوالیاں عوام میں بہت مقبول ہیں۔ بہترین غزلیں، سب رنگ شاعری، پرواز، سنہرے رنگ شاعری کے ان کی اہم کتابیں ہیں۔

خدا نیکیوں پہ ہمیں تو چلا دے
تو معصوم بچوں میں جذبہ جگا دے

یہ چاند اور تارے بنائے ہیں تو نے
زمیں آسماں بھی سجائے ہیں تو نے
خدایا تو جو چاہے وہ ہی بنا دے
خدا نیکیوں پہ ہمیں تو چلا دے

سدا دل سے تیری عبادت کریں گے
ترے بندوں سے ہم محبت کریں گے
ہمیں سب یہ کرنے کا بس حوصلہ دے
خدا نیکیوں پہ ہمیں تو چلا دے

کریں اپنے ماں باپ کی خوب خدمت
ہمارے دلوں میں رہے ان کی عظمت
محبت سے رہنا سبھی کو سکھا دے
خدا نیکیوں پہ ہمیں تو چلا دے

پڑھیں گے تو کچھ سیکھ جائیں گے ہم بھی
زمانے میں کچھ کر دکھائیں گے ہم بھی
جو دیکھے وہی دل سے ہم کو دعا دے
خدا نیکیوں پہ ہمیں تو چلا دے

پڑھائی کریں گے رہیں گے مقابل
کسی روز مل جائے گی ہم کو منزل
تو جذبے سے چلنا ہمیں بھی سکھا دے
خدا نیکیوں پہ ہمیں تو چلا دے

اندھیرے یہ نفرت کے مٹ جائیں سارے
اجالے محبت کے ہوں پیارے پیارے
جہاں میں چراغ ایک ایسا جلا دے
خدا نیکیوں پہ ہمیں تو چلا دے

دعا کرتے ہیں فیض کے ساتھ یارب
تو سن لے اٹھاتے ہیں ہم ہاتھ یارب
خطا جو بھی ہے وہ تو یارب بھلا دے
ہمیں نیکیوں پہ خدا تو چلا جلادے

■

Faiz Ratlami Adeeb
48, Samta Nagar (Anand Colony)
Ratlam - 457001 (Madhya Pradesh)

رخشاں ہاشمی

سچ اور جھوٹ

بچو! پہنو سوٹ اور بوٹ
کبھی نہیں پر بولو جھوٹ
سچائی میں طاقت ہے
جھوٹ میں خالی ذلت ہے
سچ بولو تو جنت ہے
جھوٹ کہو تو لعنت ہے
بچو سچ کی راہ پہ چلنا
جیون میں پھر آگے بڑھنا
سچا اللہ کا بھی پیارا
جھوٹے کا نہیں کوئی سہارا
اپنا مذہب یہی سکھاتا
اچھی سچی بات بتاتا
سچ بولو اور بنو نمازی
رہیں گے تم سے پھر سب راضی
ممی پاپا پیار کریں گے
سارے لوگ دعائیں دیں گے
سچ کا سبق پڑھانا بچو
جھوٹ کو بھول ہی جانا بچو
دین اور دنیا دونوں حاصل
مل جائے گی تم کو منزل

■

Rakhshan Hashmi
Mohalla Delawerpur
distt: Munger - 811201 (Bihar)

سہیل عالم

ابّو لائے کمپیوٹر

چنو منو میرے گھر
ابو لائے کمپیوٹر
پیارا سا اک ڈبہ ہے
ٹی وی جیسا دکھتا ہے
چوہے جیسا ماؤس اس کا
کمپیوٹر کو ہے جو چلاتا
فرفر کام یہ کرتا جائے
کام سے نہ ہرگز اکتائے
انٹرنیٹ لگا کر اس میں
گھر بیٹھے ہم دنیا گھومیں
اس کے اندر ساری دنیا
ہے یہ خزانہ علم و فن کا
عقل ہے اس کو دیکھ کے دنگ
کام کا اس کے ایسا ڈھنگ
اس کو جو نہ سیکھے گا
سمجھو وہ پچھتائے گا
سیکھوں گا اب میں بھی اس کو
تم بھی اس کو سیکھو بچو

■

Suhail Alam
Bhui Line
Camptee (Maharashtra)

بھائی ٹی ٹی رام

قمر جمالی

قمر جمالی اردو کی معروف ناول نگار اور ادیبہ ہیں۔ ان کے کئی ناول، افسانوی اور تنقیدی مجموعے شائع ہوچکے ہیں جن میں آتش دان (ناول)، سبوچہ، سحاب، صحرا بکف (افسانے) اور انعکاس (تنقیدی مضامین) قابل ذکر ہیں۔ ان کی تحریریں بچوں کے رسائل میں تواتر سے شائع ہوتی رہی ہیں، خاص طور پر بچوں کے لیے انگریزی میں شائع ہونے والے رسالوں میں ان کی کہانیاں شائع ہوئی ہیں۔ بچوں کی کہانیوں پر مشتمل ان کی ایک کتاب 'عریش' زیرطبع ہے۔

بچو!

کیا تم بتا سکتے ہو کہ اس کائنات کی سب سے پرانی چیز جو اپنی اصل حالت میں ابھی تک باقی ہے کون سی ہے......؟

آؤ۔ میں تمھیں بتلاتی ہوں۔

وہ چیز ہے 'فطرت' یعنی سرشٹی، نیچر۔

پوچھو کیسے—؟

وہ ایسے کہ یہ جو فطرت ہے وہ روزِ اول جیسی اللہ تعالیٰ نے بنائی تھی؛ وہ آج تک ویسی ہی ہے۔ یہ جھاڑ، یہ پہاڑ، سمندر، ندیاں، چرند، پرند یہ سب روزِ اول جیسے تھے ویسے ہی ہیں۔ ایک بار تم پرندوں کی طرف غور سے دیکھو۔ صبح کی اولین ساعتوں میں جب فضاء میں ہر طرف ''اللہ اکبر'' کی صدائیں بلند ہوتی ہیں۔ یہ تمام چڑیاں بھی اپنی اپنی آواز میں خدا کی حمد وثنا کرتی ہیں۔ دن نکلتے ہی اپنے اپنے ٹھکانوں سے نکل کر جانے کہاں کہاں دانہ دنکا تلاش کر کے اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ بھرتی ہیں۔

پھر شام......

اندھیرا پھیلنے سے پہلے اپنے اپنے رین بسیروں میں لوٹ آتی ہیں۔

تم نے دیکھا ان کے نظام العمل میں روزِ اول سے آج تک کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ یہ سب فطرت کے مظاہر ہیں۔ انسان نے سائنس کی مدد سے ترقی کے نام پر کیا کیا گل کھلائے

مگر— فطرت جوں کی توں رہی۔

آج ہم تمھیں اسی فطرت کی مظہر ایک چڑیا کی کہانی سناتے ہیں جو بولتی ہے۔ یہی نہیں ہر جاندار بولتا ہے، اپنی اپنی آواز میں۔ ہاں تو یہ بھی ایک ایسی ہی چڑیا کی کہانی ہے۔ مگر ذرا درد بھری ہے۔ تم رونا مت۔

تو سنو—

بہت پرانی بات ہے—

کسی گاؤں میں ایک سپاہی رہتا تھا۔ اس کی ایک چھوٹی بہن بھی تھی جو قریب کے کسی گاؤں میں بیاہی ہوئی تھی۔ سپاہی چھٹیاں منانے اپنے ماں باپ کے پاس آیا ہوا تھا۔ مگر...... اتفاق کی بات ہے کہ ملک میں یکا یک جنگ چھڑ گئی اور فوجی کو فوری ڈیوٹی پر لوٹنے کا حکم ملا۔

بے چارہ کیا کرتا—! اسے حکم بجالانا تو تھا ہی مگر وہ اپنی بہن سے بھی ملنا چاہتا تھا۔ اس نے گاؤں سے نکلنے سے ایک دن قبل بہن کے گاؤں ایک اطلاع بھیجی کہ وہ لام پر جانے سے قبل راستے میں کچھ دیر کے لئے بہن کے گھر رُکے گا۔

اطلاع پا کر بہن بہت خوش ہوئی کہ برسوں بعد بھائی کی صورت دیکھے گی۔ اس نے سوچا کہ وہ کھیر بنائے گی اور اپنے ہاتھوں بھائی کو کھلائے گی۔ پھر نہ جانے قسمت میں کب ملنا ہو۔ بھائی تو لام پر چلا۔

وہ دوڑتی ہوئی اپنی سوتن کے پاس گئی اور اس سے کہا......

گھر سنسار کی رانی دُلاری
میری بڑی آپا پیاری
جلدی سے کوئی ترکیب بتا
تا کہ میں کھیر بناؤں
اپنے ہاتھوں کھیر چٹاؤں
بھائی میرا لام پر چلا

سوتن تو پہلے ہی سے جلی بُھنی پڑی تھی۔ سوچا کہ بدلہ لینے کا اچھا موقع ہاتھ لگا۔ اس لئے کہا......

''وہ کون سی بڑی بات ہے۔ ایک ہانڈی میں خوشبو کے چاول، دودھ، گھی اور شکر سب ملا کر ڈال۔ ہانڈی کے منہ پر کپڑا باندھ اور چولہے پر چڑھا۔ اس وقت تک ہانڈی کا منہ نہ کھولیو جب تک تیرا بھائی نہ آجائے۔ مزے دار کھیر تیار۔''

چھوٹی بہو نے ایسا ہی کیا۔

بھائی گھوڑے پر سوار، کھڑی دوپہر میں بہن کے گھر پہنچ گیا۔ اس نے بہن کو سینے سے لگایا، پیار کیا اور کہا......

''پیاری بہنا گڑیا رانی! خدا تجھے سلامت رکھے۔ اب پتہ نہیں کب ملنا ہو، یا ملنا ہوگا بھی یا نہیں۔ میں لام پر جا رہا ہوں۔ کیا پتہ دشمن کا مقابلہ کرتے کرتے میں بھی کام آجاؤں۔ میں نے تجھے خدا کو سونپا۔''

دونوں ایک دوسرے کے گلے لگے بڑی دیر تک بے اختیار روتے رہے۔ پھر بھائی نے بہن سے کہا۔

''پیاری بہنا! رونا مت۔ فوجی لوٹ آیا تو غازی، اور اگر مر گیا تو شہید۔ دونوں صورتوں میں اللہ کا پیارا۔ اپنا خیال رکھنا۔ اچھا اب اجازت دے۔ وطن کی مٹی آواز دے رہی ہے۔''

''ایک منٹ بھیا! بس ایک منٹ۔ میں نے صبح سے کھیر بنائی۔ اپنے ہاتھوں تھوڑی چکھاؤں۔ پھر چلنا۔''

وہ دوڑتی ہوئی اندر گئی۔ ہانڈی کا منہ کھولا۔ کیا دیکھتی ہے کہ چاول جوں کے توں سخت دھرے ہیں۔ بلکہ گھی اور شکر میں پک کر مزید سخت ہو گئے ہیں۔ اب کھیر کیا بنتی...!

وہ دوڑی دوڑی بھائی کے پاس آئی اور کہا......

''کچھ دیر اور رُکو بھیا۔ کھیر ابھی تیار نہیں ہوئی۔''

بھائی کچھ دیر اور رُکا۔ مگر وہ چاول تھے کہ کسی طرح گلتے نہ تھے بلکہ پک کر سوئیوں کی طرح سخت ہو گئے تھے۔ اس نے سوتن کی بتائی ترکیب بھائی کو سنائی۔

آخر بھائی نے بہن کے سر پر ہاتھ رکھا، آنسو پونچھے اور ہنستے ہوئے کہا۔

"جان سے پیاری چھوٹی بہنا!
مانا جو تو نے سوتن کا کہنا
خیر تو کھیر اب لام پر ہی لانا
مجھے ہے جلدی چوکی پر جانا"

اتنا کہہ کر بھائی نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور پلک جھپکتے میں نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

بہن بڑی دیر تک دہلیز پر کھڑی، کھلی آنکھوں سے گردِ کارواں دیکھتی رہی۔

پھر — دوڑتی ہوئی اندر آئی۔ ٹوٹ کر روئی — پھر خدا سے رجوع کیا اور تڑپ کر دعا کی —

"اے میرے فریادرس، میرے خدا!
تو مجھے بنا دے ننھی چڑیا
پھر سے اُڑ کر لام پہ پہنچوں
اپنے بھائی کو ڈھونڈ نکالوں
اپنے ہاتھوں کھیر چٹاؤں
بھائی لام پر گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کی فریاد سن لی۔ چڑیا نے خدا کا شکر ادا کیا۔

سر پر کھیر کی ہانڈی اٹھائی
پنکھ جھٹکے اور پر پھڑ پھڑائی
درد بھری ایک ہانک لگائی
بھائی ٹی ٹی ___ رام

کہتے ہیں آج بھی ایک ننھی چڑیا، سر پر ہانڈی اٹھائے کھڑی دوپہر میں جنگلوں میں اسی طرح پکارتی پھرتی ہے۔

تو یہ تھی کہانی بھائی بہن کے پیار کی۔ اچھا بچو! اب تم سو جاؤ۔ اللہ حافظ!

مشکل الفاظ کے معنی

حمد و ثنا	: خدا کی تعریف
رجوع ہونا	: واپس شامل ہونا
رین بسیرا	: رات گذارنے کی جگہ
غازی	: بہادر سپاہی جو جنگ لڑ کر واپس آیا ہو
لام	: جنگ
شہید	: جنگ میں دشمن سے لڑتے ہوئے مر جانا
گردِ کارواں	: کسی کے گذرنے سے پیچھے اڑتی دھول
ایڑ لگانا	: ایڑی سے گھوڑے کو چلنے کا اشارہ دینا

■

Qamar Jamali
H.No: 4-5, Himagiri Nagar Colony
Gandamguda, Hydershahkote (Post)
Hyderabad - 500091 (Telangana)
Mob.: 9985503977

جوابات (18) پھول اور پرندہ

(1) پنکھڑی، ٹہنی، دلکش، رنگ، زرگل، کلی، کھلنا، کمھلانا، مرجھانا، مہکنا

(2) آنکھ، اڑان، پاؤں، پر، چونچ، دم، رنگ، قفس، مادہ، نر

■

ماخذ: اردو زبان کا جادو (پارٹ 1)، ادارہ، **سنہ اشاعت:** تیسری طباعت 2009، **ناشر:** قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

نخشب مسعود

اللہ دین اور ہمزاد

اللہ دین

آج اللہ دین کچھ زیادہ ہی پریشان اور حیران تھا۔اس کی پریشانی وحیرانی کی وجہ یہ تھی کہ اتنا موٹا تازہ لحیم وشحیم جن اتنے سے چراغ میں کیسے سماجاتا ہے...؟

آخراس کاراز کیا ہے؟......یہ سوچتے سوچتے وہ تھک گیا۔

آخر غصے میں آکراس نے کباڑ خانے میں چراغ پھینک دیا۔

وہ منہ ہی منہ میں بدبدایا۔''نہ رہے چراغ نہ رہے جن۔ کیا فرق پڑتا ہے مجھے۔''

اور چاک لے کر کھیلنے میدان میں چلا گیا۔میدان میں آکراس کی نظر اپنی سنہرے محل نما حویلی پر پڑی۔کیا شاندار حویلی ہے اس نے سوچا۔

کبھی یہاں ایک ٹوٹا پھوٹا سا جھونپڑا ہوا کرتا تھا اور آج اس کی جگہ اس سنہری حویلی نے لے لی ہے۔یہ سب کیسے ممکن ہوا؟ (وہ اپنے آپ سے باتیں کرنے لگا)۔یہ سب قسمت کا کھیل ہے۔قدرت کی کرشمہ سازی ہے اور کیا......؟......اور یہ جادوئی چراغ...اور اس کا جن۔

جیسے اس سے کسی نے چپکے سے کہا۔''یہ سب بھی تو اللہ کا ہی دیا ہوا ہے۔''

''وہ جن جو کچھ بھی کرتا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کے اشارے پر ہی تو کرتا ہوگا۔ہے نا؟''

''بالکل۔بالکل سچ'' مگر میں آج یہ سب کیوں سوچ رہا ہوں؟ میں نے اس چراغ کے جن سے نجات پالی ہے......اب مجھے قطعی اس کی ضرورت نہیں رہی ہے۔اللہ کا دیا

اب میرے پاس سب کچھ ہے، کسی چیز کی کوئی کمی نہیں ہے۔ اب کئی کئی دن فاقوں سے رہنا نہیں ہوگا۔ منوں اور ٹنوں سے غلہ اور اناج، قسم قسم کے میوے گھر کے گودام میں پڑے ہیں۔ باہر باغ میں قسم قسم کے درخت اور پودے ہیں۔ ہر طرح کی سبزی ترکاریاں بھی لگی ہوئی ہیں۔ دودھ کی ضرورت کے لیے بہترین قسم کی موٹی تازی گائے اور بھینسیں ہیں۔ کس چیز کی کمی ہے؟ اللہ کا دیا سب میسر ہے۔ اگر ایسی کسی چیز کی ضرورت پیش آئی تو کباڑ خانے میں پڑے چراغ کو نکال کر جن کو طلب کر کے اس سے کہہ کر منگوالوں گا۔

وہ سوچتے سوچتے چاک چلاتے ہوئے بہت دور نکل گیا۔ اب شام ہونے لگی تھی۔ اسے گھر کی یاد ستانے لگی۔ وہ ابھی واپسی کے لیے مڑا ہی تھا کہ سامنے اسے اپنے چراغ کا جن نظر آیا۔

الہ دین نے حیرت سے دریافت کیا۔ ''ارے تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ اور تم یہ لنگڑا کیوں رہے ہو؟''

جن نے جواب میں کہا۔ ''تم نے چراغ کو جس بے دردی سے کباڑ خانے میں پھینکا تھا۔ اس کے جھٹکے سے میری ایک ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ گئی......۔ اور یہ وید جی سے ہی درست ہوگی۔''

الہ دین نے جن سے کہا۔ ''چلو وید جی کے پاس چلتے ہیں۔''

جن نے کہا۔ ''نہیں!... یہ آپ کے وید جی کے بس کی بات نہیں ہے... اس کے لیے مجھے ہمارے وید جی کے پاس جانا ہوگا۔''

''ٹھیک ہے ویسا ہی کرو جیسا تمھارا جی چاہے۔''

الہ دین نے کہہ تو دیا لیکن جن سے واپسی کے بارے میں کچھ بول نہ سکا۔

الہ دین نے آخر اپنے دل میں اٹھنے والا سوال کر ہی لیا۔ ''اور ہاں! تم اتنے لحیم شحیم موٹے مسٹنڈے ہو کر اتنے سے چراغ میں کیوں کر سما جاتے ہو؟''

جن نے کہا۔ ''اس کا جواب آپ خود تلاش کریں؟''

اور یہ کہہ کر جن عجیب انداز میں ہنسا اور غائب ہو گیا۔

الہ دین اس کی راہ تکتا رہ گیا۔

ہمزاد

کافی عرصے بعد الہ دین کو جن کی یاد آئی۔ وہ کباڑ خانے میں چراغ تلاش کرنے لگا۔ کافی تلاش و جستجو کے بعد چراغ مل گیا۔ وہ دیر تک چراغ کو رگڑتا رہا۔ رگڑتے رگڑتے وہ جھنجھلاہٹ کا شکار ہو گیا۔ آخر کافی دیر بعد جن حاضر ہوا۔

الہ دین غصے سے چیخ پڑا۔ ''آنے میں اتنی دیر کیوں لگائی؟''

جن نے جواب دیا۔ ''سر جی! میں بہت گہری نیند میں سو یا ہوا تھا۔ جاگنے میں دیر ہو گئی۔ معاف کر دیں مجھے سر جی۔''

الہ دین نے سوال کیا۔ ''کچھ ماہ پہلے جب میں شام کے وقت میدان میں تھا، تم لنگڑاتے ہوئے آ رہے تھے۔ تم نے علاج کے لیے وید جی کے پاس جانے کی اجازت چاہی تھی! یاد ہے نا۔

جن نے جواب دیا۔ ''ہاں سر جی!...... مگر وہ لنگڑا جن میں نہیں تھا''

الہ دین نے حیرت سے پوچھا۔ ''ایں؟...... تم نہیں تھے تو پھر وہ کون تھا؟''

جن نے سر جھکا کر کہا۔ ''حضور! وہ میرا ہم زاد تھا۔''

الہ دین نے پھر دریافت کیا۔ ''ہم زاد؟...... یہ کیا ہوتا ہے۔''

جن نے ادب سے جواب دیا۔ ''سرکار... !اسے سمجھانا میرے بس میں نہیں اور میں اسے سمجھانے سے بالکل قاصر

ہوں۔بس اتنا سمجھ لیجیے کہ ہماری جیسی ہی شکل وصورت والا، ڈیل ڈول والا، چال ڈھال اور آواز والا، ہم شکل اور ہمزاد ہوتا ہے۔''

الہ دین نے کہا۔'' اچھا... اچھا... وہ تمھارا ہم زاد تھا مطلب تمھارا ہم شکل۔تو کیا اس سے پہلے بھی وہ ہمارے سامنے آیا تھا؟''

جن نے کہا۔'' جی ہاں سرکار...... اس سے قبل بھی وہ کئی بار آپ کی خدمت میں حاضر رہا ہے۔''

الہ دین نے حیرت سے کہا۔'' کیا بات کر رہے ہو!...... کئی بار اور ہم اس کی شناخت ہی نہ کر سکے؟...... اسے پہچان بھی نہ سکے؟ تعجب ہے!''

جن نے شرارت سے مسکرا کر کہا۔''پہچانتے بھی کیسے سرکار...... وہ بالکل ہماری شکل وصورت کا ہے۔''

الہ دین نے دوبارہ سوال کیا۔'' اچھا یہ بتاؤ۔وہ کب کب ہمارے سامنے آیا؟''

جن نے یاد دلاتے ہوئے کہا۔''حضور! جب ہم آپ کی سنہری حویلی تعمیر کر رہے تھے۔فرنٹ سائیڈ پر میں تھا اور حویلی کی پشت یعنی بیک سائیڈ پر میرا ہم زاد دیواریں کھڑی کر رہا تھا۔آپ فقط مجھے دیکھ رہے تھے حویلی کے پیچھے کون کام کر رہا ہے۔اس پر آپ کی نظر نہیں تھی۔''

الہ دین نے تجسس سے دریافت کیا۔'' اور...... اور.. کس کس موقع پر......؟''

جن نے اطمینان سے جواب دیا۔''حویلی میں باغ لگانے...... گائے اور بھینس لانے...... ان کا دودھ دوہنے میں...... آپ کے لیے اور آپ کے مہمانوں کے لیے انواع اقسام کے لباس، میوے لانے اور پکوان بنانے کے موقع پر۔

الہ دین نے سوال کیا۔''اچھا...... یہ بتاؤ کہ ہم تمھارے ہم زاد کو کیسے... کس طرح پہچانیں گے کہ یہ تم نہیں تمہارا ہم زاد ہے؟''

جن نے شرما کر کہا۔''سرجی ! ارے معاف کرنا حضور...... کیوں ہمارا مذاق اڑا رہے ہیں؟''

الہ دین نے بے تکلفی سے کہا۔''اس میں مذاق والی کیا بات ہے۔''

جن نے کہا۔'' سرکار... آپ اس کی ٹانگ پر ذرا غور فرمائیے گا۔آپ خود ہی اس کی شناخت کرلیں گے۔''

الہ دین نے نکتہ چینی کے انداز میں پوچھا۔''ٹھیک ہے.. ٹھیک ہے... اور یہ سر جی... فرنٹ اور بیک سائیڈ... یہ انگریزی کہاں سے سیکھی کبھی تو ہم انگریزی زبان نہیں بولتے...؟''

جن نے سر جھکا کر کہا۔''جوزف فرنانڈیز سے...''

الہ دین نے مزید حیرت سے سوال کیا۔''یہ کون صاحب ہیں؟''

جن نے کہا۔''جی! یہ بھی ہماری طرح جن ہیں۔بالکل کالے بھجنگ...... کوئلے اور ڈامر (تارکول) سے بھی زیادہ... ہم جیسے گورے سپید ہیں وہ بالکل ہی سیاہ فام ہیں... وہ ہمیں انگریزی سکھا رہے ہیں...... اچھا اب میں چلوں سر جی۔''

یہ کہتے ہوئے جن غائب ہوگیا۔غائب ہوتے ہی الہ دین کی نظر جب عکس پر پڑی تو وہ چونک اٹھا۔یہ بدمعاش تو ہمزاد تھا اور اس کے پیر میں لنگ تھا۔

■

Dr. Nakhshab Masood
77/2, Plot No 9, Batool Park
Malegaon - 423203
Distt.: Nasik (Maharashtra)
Mob.: 9372012930

تعریف کے لڈو

حلیمہ فردوس

یہ تخلیق ڈاکٹر حلیمہ فردوس کی ہے جنھوں نے بچوں کے لیے بھی کتابیں تحریر کی ہیں۔ طلبا کے لیے لسانی کھیل پر مشتمل کتاب 'الفاظ کی دنیا' اور بچوں کے لیے کہانیوں اور ڈراموں کا مجموعہ 'بچوں کی دھنک رنگ دنیا' ان کی اہم کتابیں ہیں۔ ان کے طنزمیہ، مزاحیہ اور تحقیقی تنقیدی مضامین بھی شائع ہوچکے ہیں۔ بچوں کے مقتدر رسائل میں ان کی تخلیقات شائع ہوتی رہی ہیں۔

تحسین میاں گھر میں سب کے چہیتے تھے۔ ان کا پورا نام تحسین احمد تھا۔ بچپن ہی سے گول مٹول بالکل گڈے جیسے تھے۔ امّی، ابّو کے علاوہ سب انھیں کبھی لڈّو تو کبھی گڈّو کہہ کر پکارتے تھے۔ گھر کا ہر شخص ان کی توتلی اور معصوم باتوں کا دیوانہ تھا۔ ایک دن ان کی امّی نے انھیں نہلا دُھلا کر کُرتا پاجامہ پہنا کر تیار کیا۔ وہ بڑے خوش خوش نظر آرہے تھے۔ پتہ نہیں ان کے جی میں کیا آیا سیدھے گئے اور اپنے دادا جی کی جائے نماز بچھائی، سجدے کیے اور امّی کے پاس چلے آئے۔ اپنی توتلی زبان میں کہنے لگے "امّی دی، امّی دی نون آیا نون آیا" ان کی بات سن کر بے چاری امّی پریشان ہوگئیں۔ "نون کیا بیٹا، ٹھیک سے بتاؤ" اس پر وہ جھنجھلا گئے۔ پھر وہی الفاظ دُہرانے لگے۔ "امّی نون... نون" ان کی امّی نے سوال کیا ابھی 'الف بے' کا قاعدہ پڑھا تھا پھر تمھیں نون کیوں یاد آیا؟ تحسین امّی کو سمجھانے لگے امّی اللہ میاں کو یاد کریں تو نون آتا ہے نا۔ وہ نون۔ "تب کہیں تحسین میاں کی بات امّی کی سمجھ میں آئی۔ انھوں نے بیٹے کو پیار کرتے ہوئے کہا" میرے لڈّو۔ وہ نور ہے نور۔ تم اللہ کو یاد کرکے آئے ہونا۔ ہاں ہاں۔ تمہارے چہرے پر نور آیا ہے۔"

اکثر تحسین میاں کے ابّو امّی ان کی باتیں یاد کرکے ہنستے اور خوش ہوتے۔ وہ بھی کیا دن تھے صبح سے شام تک ان کی تعریف ہوتی۔ لڈّو میاں اپنی تعریف سن کر خوب خوش ہوتے۔ 'الف سے اللہ کو پہچان' نظم ہو یا 'A For Apple' ایک سانس میں سناتے۔ گھر پر آئے مہمانوں کے سامنے ابّو امّی کی فرمائش پر طوطے کی طرح شروع ہوجاتے۔ تعریف کے لڈّو کھا کر پھول جاتے، انعام کے طور پر جب انھیں چاکلیٹ یا آئس کریم ملتی تو ان کی خوشی اور بھی بڑھ جاتی۔ اگر

کسی نے تعریف نہیں کی یا پھر امّی نے توجہ نہیں دی تو بس لڈو میاں روٹھ جاتے۔ اس لیے تحسین کے چاچا انھیں ''جھٹ خفا'' کہہ کر چھیڑتے تھے۔

ایک دن سال گرہ پر انھوں نے نئے کپڑے پہنے۔ کیک اور مٹھائی لیے پڑوس کی عافی باجی کے گھر گئے۔ وہ کام میں مصروف تھیں، انھوں نے تحسین کو دیکھے بغیر پوچھا ''لڈّو میاں کیسے آنا ہوا؟'' تحسین کو غصہ آ گیا، جواب دیا ''یہ مٹھائی لیجیے'' عافی نے سوال کیا ''کس خوشی میں؟'' ہم نہیں بتائیں گے، آپ امّی سے پوچھ لیجیے۔ یہ کہہ کر مٹھائی ٹیبل پر رکھی اور منہ پھلائے گھر لوٹ آئے۔ ان کا پھولا ہوا چہرہ دیکھ کر امّی سے رہا نہ گیا۔ پوچھا ''لڈّو بیٹا کیا ہوا؟''

امی کی بات سن کر دو موٹے موٹے آنسو ان کی آنکھوں سے گر پڑے۔ امّی سے کہنے لگے ''عافی باجی بہت خراب ہیں۔ انھوں نے نہ ہمیں دیکھا اور نہ ہمارے نئے کپڑوں کی تعریف کی اور نہ سال گرہ مبارک کہا۔''

''اب ہم کبھی ان کے گھر نہیں جائیں گے۔''

ممّی سمجھانے لگیں۔ بیٹا! عافی تمھاری سال گرہ کی تاریخ بھول گئی ہوگی۔ اچھا، بیٹا ہنس دو۔ دیکھو تمھارے دوست اور بھائی بھی آئے ہیں۔ چلو ہم کیک کاٹتے ہیں۔

لڈو میاں سال گرہ کی خوشی میں سب کچھ بھول کر دوستوں میں مصروف ہوگئے، مگر بات بات پر خفا ہونے کی عادت کم نہ ہوئی۔ جب انھوں نے اسکول جانا شروع کیا تو ہفتے میں ایک دو بار ان کا موڈ بگڑ جاتا۔ اسکول میں ٹیچر بچوں کی زبانی نظمیں سن کر نہ صرف شاباش کہتیں بلکہ بچوں کی کلائی پر ستارے کے نشان بھی بناتی تھیں۔ جس دن تحسین میاں کو سب سے زیادہ ستارے ملتے اور ٹیچر واہ واہ کرتے ہوئے ان کی پیٹھ تھپتھپاتی تو ان کا چہرہ کِھل جاتا۔ کبھی ستارے کم ملتے تو وہ بہت خفا ہوتے۔ اگلی جماعت تک پہنچتے پہنچتے ان میں اپنی تعریف سننے کی عادت بڑھ گئی تھی۔ ان کی جماعت کے چالاک بچے تحسین میاں کی خوب تعریف کرکے انھیں بے وقوف بناتے۔ کبھی ان کی رنگین پینسلیں اڑا لیتے اور کبھی ان کی ڈرائنگ بک ہی غائب کر دیتے اور انھیں پتہ بھی نہیں چلتا۔

ایک دن تحسین میاں خراب موڈ میں گھر لوٹے۔ جوتے اُتارے، بیگ صوفے پر رکھا۔ ٹائی نکال کر پھینکی۔ منہ پھلائے سر نیچے کیے بیٹھے رہے۔ ممّی سمجھ گئیں، ان کے لاڈلے کے ساتھ کچھ ہوا ہے۔ پیار سے پوچھا ''میرے لڈو کو غصہ کس بات پر ہے؟''

خفا ہوتے ہوئے انھوں نے پہلے تو سر سے امّی کا ہاتھ جھٹک دیا، کہنے لگے ''امّی آپ مجھے لڈو نہ کہیے، اب میں بڑا ہو گیا ہوں۔''

امّی نے خوشی سے کہا ''اچھا اب میرا لڈو بڑا ہو گیا۔ اب تو تمھیں تحسین میاں کہنا پڑے گا۔ بیٹا میری سُنو! یہ ذرا ذرا سی بات پر روٹھنا اچھی بات نہیں۔ پہلے کچھ کھا لو پھر بتانا اسکول میں کیا ہوا؟''

میگی کی پلیٹ دیکھ کر ان کا غصہ بھاگ گیا۔ وہ ہاتھ منہ دھو کر آئے اور شوق سے میگی کھانے لگے۔ پھر سامنے اخبار پڑھتے چاچا کی بغل میں جا بیٹھے۔ چاچا نے اخبار سے نظریں ہٹا کر سوال کیا ''تحسین میاں کیا بات ہے، کیا کوئی کام؟''

انھوں نے آہستہ سے جواب دیا ''چاچا آپ کی دی ہوئی نئی کیپ کھو گئی۔''

''ارے بدھو، آخر تم کب سُدھرو گے'' چاچا ڈانٹنے لگے۔

تحسین میاں چاچا کو تفصیل سے بتانے لگے ''جمیل، سمیر اور نعمان کو میری کیپ بہت پسند آئی، سب تعریف کرتے رہے، سمیر پہن کر خوش ہوا اور کہنے لگا یہ میرے سائز کی ہے۔ پتہ نہیں اس نے کب کیپ بیگ میں رکھ لی۔ میرے پوچھنے پر وہ رونے لگا، کیا میں چور ہوں، تمھاری کیپ میرے پاس کیوں

ہوگی۔"

تحسین کی باتیں سُن کر چاچا نے سوال کیا "بیٹا تم نے اپنی ٹیچر سے شکایت نہیں کی۔"

"چاچا کبھی میری پنسل کھوگئی تھی، جب ٹیچر سے اس کی شکایت کی تو انھوں نے مجھے ہی ڈانٹ دیا تھا۔"

چاچا کو تحسین کے بھولے پن پر ترس آیا۔ سمجھانے لگے "بیٹا تحسین! آئندہ احتیاط برتنا۔ تم بڑے ہوگئے ہو۔ تمھیں اپنی چیزوں کا خیال رکھنا چاہیے۔ تعریف کے لڈو کھاؤ گے تو پچھتانا پڑے گا۔ تمھیں وہ چالاک لومڑی اور بے وقوف کوے کی کہانی یاد ہے۔ جسے میں بچپن میں سنایا کرتا تھا۔ بھوکی لومڑی نے جب کوّے کی چونچ میں روٹی کا ٹکڑا دیکھا تو لگی اس کی آواز کی تعریف کرنے، بے وقوف کوّے نے خوش ہوکر جیسے ہی چونچ کھولی روٹی کا ٹکڑا زمین پر گر پڑا اور لومڑی لے کر بھاگ گئی۔"

تحسین میاں آیا سمجھ میں؟ تمھیں اپنے نام تحسین کے معنی معلوم ہیں۔ تحسین بمعنی تعریف، مگر یاد رکھنا، جھوٹی تعریف سے بچ کر رہنا۔ ورنہ تمہارے دوست جھوٹی تعریف کے لڈو کھلا کر تمہیں بے وقوف بناتے رہیں گے۔ اس میں نقصان تمہارا ہوگا۔ اچھا اب موڈ خراب نہ کرو، میں تمہارے لیے بازار سے ایک اور نئی کیپ خرید کرلاؤں گا۔

تحسین میاں یہ سُن کر چاچا کے گلے میں جھول گئے۔ انھیں تعریف کے لڈوؤں کی حقیقت بھی معلوم ہوئی اور ایک نئی کیپ بھی مل گئی۔

■

Dr. Haleema Firdous
414-A1, Ganga Block National Games
Village Koramangala
Bangalore- 560047 (Karnataka)
Mob.: 9448787013
E-mail: haleema.firdous@gmail.com

Subscription Form "Bachon Ki Duniya"

سالانہ خریداری فارم

میں 'بچوں کی دنیا' کا رکن سالانہ خریدار بننا چاہتا رچاہتی ہوں۔

100 روپے کا ڈرافٹ/منی آرڈر............ .... بتاریخ............

بنام National Council for Promotion of Urdu Language منسلک ہے۔

میں نے زرِ تعاون سالانہ -/100 روپے A/C: 90092010045326، IFSC: SYNB0009009

میں جمع کروادیا ہے۔

آپ 'بچوں کی دنیا' ایک سال کے لیے اس پتے پر بھجوائیں:

نام : ....

پتہ : ....

....

....

اس فارم کو درج ذیل پتے پر بھیج دیں:

Sales Department: NCPUL, West Block 8, Wing7, RK Puram, New Delhi - 110066

فون: 011-26109746 فیکس: 011-26108159, E-mail.:sales@ncpul.in

دستخط

کورونا شہزادی

عائشہ سمن

ڈاکٹر عائشہ سمن اردو کی معروف ادیبہ اور شاعرہ ہیں۔ درس و تدریس سے وابستہ ہیں۔ ان کا ایک شعری مجموعہ 'نقرئی کنگن بول اٹھے' کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ بچوں کے لیے ان کی ایک بڑی اہم کتاب 'شعرستان' (برائے بیت بازی) ہے جس میں بیت بازی سے دلچسپی رکھنے والے طلبا کے لیے بہت عمدہ اور اچھے اشعار کا انتخاب کیا گیا ہے۔ 930 صفحات پر یہ کتاب مشتمل ہے اور بچوں کے لیے انتہائی مفید ہے۔

صبح صبح صبا اپنی ہی ترنگ میں اتراتی، اٹھلاتی بل کھاتی، پھولوں کو چھیڑتی، خوشبو بکھیرتی، ماحول کو خوشگوار ٹھنڈک بخشتی، اپنی ہی طرح سے چل رہی تھی۔ آسمان کا نیلا اور شفق کا زردی مائل رنگ کے علاوہ جگہ جگہ بادل کے رینگتے ہوئے ٹکڑے بہت ہی خوبصورت اور دلکش سماں پیش کر رہے تھے۔

چاروں طرف خاموشی کا پہرہ تھا۔ ہاں مگر صرف انسان خاموش، پرندوں کے خوش الحان نغمے جاری و ساری تھے۔ سڑکوں پر کوئی تھا تو آزادی سے گھومتے ہوئے شیر، چیتے، ہرن، اچھلتے، کودتے، بندر، ناچتے تھرکتے مور، اڑتے ہوئے پرندے، چڑیوں کی چہکار، کوئل کی کوکو، اور چلتے پھرتے گائے، بکری، بلی، مرغی سبھی گویا...... انسان قید اور جانور آزاد.......... اور یہ تمام نظارے نظر آ رہے تھے موبائل اسکرین پر.... انسان کے ساتھ ساتھ بڑے بڑے کارخانے، کمپنیاں، دکانیں، اسکول، کالج، موٹر گاڑی یہاں تک کہ لوگوں کی آمدورفت بھی بند... گویا پوری دنیا کے انسان کورونا جیسے خطرناک اور جان لیوا وائرس سے ڈرے سہمے اپنے اپنے گھروں میں بند ٹی وی، موبائل اور

نیوز چینلز کے ہو کر رہ گئے تھے۔

پوری دنیا میں کورونا کی دہشت سے ہاہا کار مچا ہوا تھا۔ روزی روٹی کی تلاش میں اپنے ملک، شہر، گاؤں اور اپنے لوگوں کو چھوڑ کر بیرونی ممالک میں جا بسنے والے جن افراد کو موقع ملا وہ اپنے گھر آ گئے۔ بہت سارے جہاں تھے وہیں پھنسے رہ گئے۔ قسمت والوں میں خدیجہ بی بھی تھیں جن کا بیٹا ڈگری ملتے ہی لندن بلا لیا گیا تھا، مفلسی اور غربت کو بالائے طاق رکھ، محنت مزدوری کر، خدیجہ بی اور ان کے شوہر نے اپنی بیٹی اور اکلوتے بیٹے عاکف کو پڑھا لکھا کر اتنا قابل بنا دیا تھا کہ اسے کئی بڑی کمپنیوں نے بلایا مگر عاکف نے لندن کی ملٹی نیشنل کمپنی کو چنا.. اللہ کی عطا کردہ نعمتوں پر صابر وشاکر رہنے والے والدین کو بیٹے کی کامیابی نے سکون بخشا۔ اب تکلیف کے دن ختم ہو گئے تھے ہاں لیکن عاکف سے جدائی کا دکھ تو بہر حال انھیں رہتا ہی تھا۔

بہت سالوں بعد اتفاق سے اسے بھی اپنی ماں کے پاس ہندوستان آنے کا موقع مل گیا۔ اس کے بعد مسلسل...... لاک ڈاون۔ ۔عاکف اور اس کی ماں لاک ڈاون کی دقتوں سے بے نیاز اطمینان سے ایک دوسرے کے ساتھ زندگی کے بقیہ دن گذار رہے تھے۔ بیٹے کو پا لینے کے بعد خدیجہ بی کو کورونا، لاک ڈاون یا کسی بھی چیز سے کوئی شکایت نہیں تھی بلکہ وہ خوش تھی اور اللہ کا شکر ادا کرتیں کہ ان کے بیٹے کو ملانے میں رب کائنات نے ان کی مدد کی ہے۔ دوسری طرف کورونا کا زور بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ سارے اسپتال تقریباً بھر چکے تھے۔ بے شمار اموات ہوتی ہی جا رہی تھیں، لوگ بے روزگاری اور بھوک سے پریشان، تھے۔ ڈاکٹرس اور پولس کی ڈیوٹی اور ذمے داریاں بہت بڑھ گئی تھیں۔ اس وبا سے لوگوں کو بچاتے بچاتے وہ بھی کورونا سے متاثر ہوتے جا رہے تھے۔ اس کے باوجود وہ اپنی جان کی پرواہ کیے بغیر مریضوں کے علاج میں دن رات لگے ہوئے تھے۔ انھیں حفاظتی کٹ فراہم کرنے سے پہلے ان کی حوصلہ افزائی کرنا ضروری ہے۔ اس خیال کے آتے ہی یہ اعلان کر دیا گیا کہ شام 5.00 بجے... ہمارے ہیروز وہ ڈاکٹرس اور پولس کے نوجوان جو 24 گھنٹے اپنی جان کی پرواہ کیے بغیر کام کر رہے ہیں ان بہادر سپاہیوں کے لیے ہم تمام ہندوستانیوں کو اپنی اپنی بالکنی، دروازے اور کھڑکیوں میں

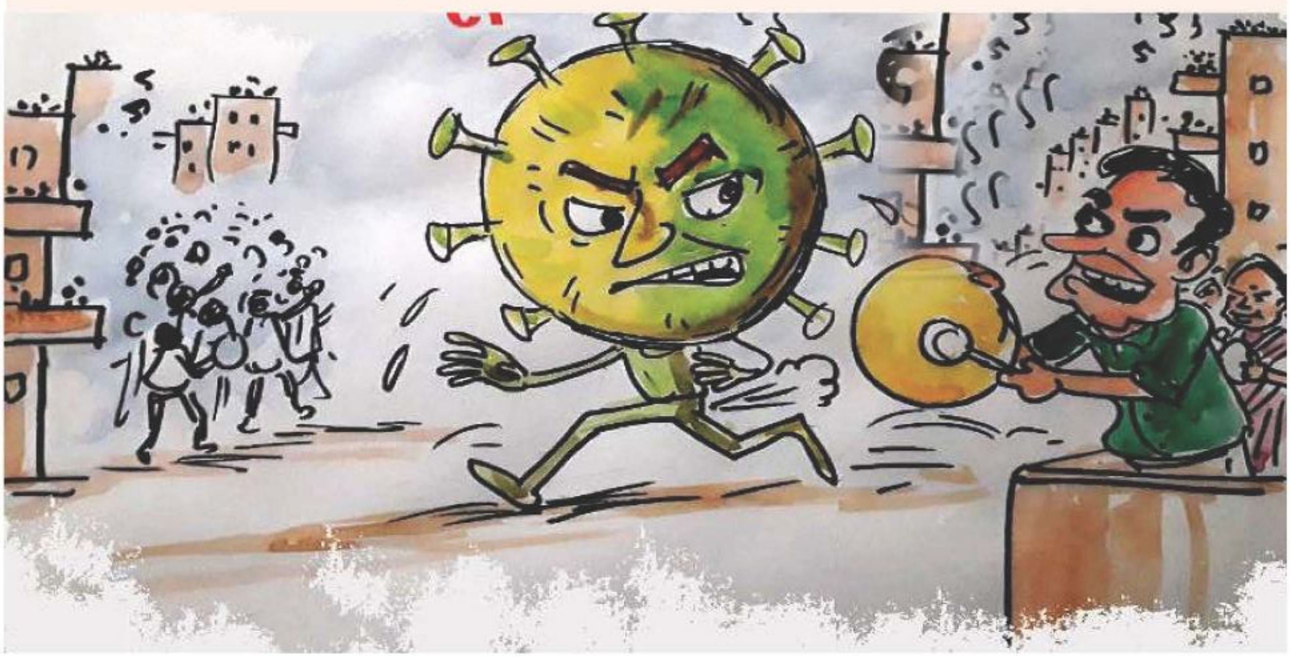

کھڑے رہ کر تھالی، تالی اور گھنٹی بجا کر سلامی پیش کرنی ہے۔ ہم ہندوستانی جو ٹھہرے۔ تالی تو بجانی ہی تھی... خدیجہ بی کی بلڈنگ... جہاں سبھی مذاہب کے ماننے والے رہتے تھے۔ کیسے پیچھے رہ سکتے تھے۔

شام کے 5.00 بجے سب اپنی اپنی بالکنیوں میں کھڑے تالی اور تھالی پیٹنے لگے۔ ساتھ ہی گو کورونا گو، کورو گو، گو کورونا، گو کورونا کے نعرے بھی لگا رہے تھے... سبھی اپنی مستی میں اتنے مست تھے کہ کسی کو کسی کا خیال ہی نہیں تھا۔ وہ یہ بھی بھول گئے کہ ہمیں ایک دوسرے سے ایک میٹر کا فاصلہ بنائے رکھنا ہے، ماسک پہننا ہے، اپنے منہ، آنکھ، اور ناک پر ہاتھ نہیں لگانا ہے، تالی بجاتے وقت سب بھول گئے۔ ہاں لیکن، گو کورونا گو کے نعرے برابر لگتے رہے۔

شور سن کر خدیجہ بی بھی اپنی بالکنی میں آ گئی تھیں۔ باہر آتے ہیں... گو کورونا گو، سن کر طیش میں دوڑتی بھاگتی...... جو لوگ بلڈنگ سے باہر تھالی پیٹتے راستے پر آ گئے تھے ان کے ہاتھوں سے تھالیاں چھین کر پھینکنے لگیں، اور زور زور سے روتے ہوئے گڑگڑا کر کہنے لگیں......

''خدارا... کورونا کو مت بھگایئے... وہ میرے گھر کی شہزادی ہے۔ اس کے آنے سے تو 21 سال بعد میرا بیٹا میرے پاس آیا ہے۔ وہ چلی گئی تو لاک ڈاؤن بھی ختم ہو جائے گا اور میرا راجکمار بھی چلا جائے گا۔ میں پھر سے اکیلی ہو جاؤں گی۔ موت و حیات تو اوپر والے کے ہاتھ میں ہے... وہ زور زور سے رو رہی تھیں اور لگا تار بڑ بڑا رہی تھیں۔ سب رک کر ان کی بات سننے لگے۔ وہ لگا تار بولے جا رہی تھیں... اس کا باپ اس دنیا سے چلا گیا۔ وہ نہیں آ سکا۔ اس کی اکلوتی بہن کینسر کا شکار ہو کر اس دنیا سے رخصت ہو گئی۔ میرا بچہ بہت تڑپا آنے کے لیے لیکن... مجبوریِ قسمت... نہیں آ سکا۔ اس بار میری قسمت اچھی تھی۔ میرا بچہ میرے پاس آ گیا۔ ورنہ... شاید بند گھر میں میری بھی لاش... خدیجہ بی کھڑے کھڑے لڑکھڑاتے ہوئے یہی کہتی رہیں کورونا کو مت بھگاو، وہ چلی گئی تو لاک ڈاون... اور پھر میرا بیٹا بھی... میں پھر اکیلی ہو جاؤں گی۔

خدیجہ بی! ایک ایک کے پاس جا کر کہتی رہیں، گویا سب ان کے ہاتھ میں ہو..... دیکھو نا ابھی ہم ساتھ میں رہتے ہیں۔ ساتھ ہی کھانا کھاتے ہیں... دیسی کھانا.. میں ذرا بیمار پڑوں وہ میری دیکھ بھال کرتا ہے، خدمت کرتا ہے، میرا بیٹا بڑا ہی نیک اور فرمانبردار ہے۔ وہ میرا بہت احترام کرتا ہے۔ ہم دونوں خوب باتیں کرتے ہیں۔ اگر وہ چلا گیا تو... تو... میرے جنازے کو کاندھا کون دے گا۔ وہ درد سے کراہ اٹھیں... مت بھگاو......کورونا شہزادی کو۔ مت بھگاؤ... ماحول پر اداسی چھانے لگی جیسے خدیجہ بی کا درد اکیلے کا نہیں درد مشترک ہو۔

وہ چکرا کر گرتیں اس سے پہلے ہی عاکف دوڑتا ہوا آیا ماں کا ماتھا چوم کر کہنے لگا ماں آپ کو کیا ہو گیا...... ماں بیٹے سے تڑپ کر بولی بیٹا مجھے چھوڑ کر مت جانا...

نہیں ماں! میں تمھیں چھوڑ کر کبھی اور کہیں نہیں جاؤں گا۔ میری جنت تو یہیں ہے آپ کے قدموں میں... ماں اس لاک ڈاون نے مجھے رشتوں کی اہمیت سمجھا دی ہے... میں تمھیں چھوڑ کر نہیں جاؤں گا ماں... کبھی نہیں... کبھی بھی نہیں...

■

Dr. Aaisha M Tarique Shaikh
F No: 30, 1st Floor Opp. Bohra Masjid
Near Pahelvi Hotel, Bazar Road
Bandara(W) Mumbai - 400050 (MS)

موبائل

چشمہ فاروقی

دانیال عرف دانی ایک نہایت شرارتی بچہ تھا۔ وہ کسی کی بات پر کبھی دھیان نہیں دیتا تھا اور نہ ہی کسی کی سنتا تھا لیکن اپنی کلاس میں کافی اچھا تھا۔ پڑھنے میں بھی ہوشیار تھا۔ اپنی کلاس میں ہمیشہ اچھے نمبر لاتا تھا۔ اس کی اس خوبی سے متاثر ہوکر ٹیچر اور والدین اس کی دیگر خامیوں کو نظر انداز کر دیتے تھے۔ وہ جب بھی کسی چیز کے پیچھے لگ جاتا تو اسے پورا کر کے ہی چھوڑتا۔ جس کی وجہ سے کئی بار فائدے کے بجائے نقصان بھی ہوتا۔ جس سے گھر والے ناراض ہوتے مگر وہ کسی کی سنتا کب تھا۔

نئے دور نئے زمانے کے لحاظ سے دانیال کو موبائل کا زبردست شوق تھا۔ لیکن اس کے والدین عمر کم ہونے کی وجہ سے اسے فون نہیں دلواتے تھے اور دوسری خاص وجہ اس کی پڑھائی بھی تھی۔ اس کے باوجود دانیال نے سارے فون چلانے سیکھ لیے تھے۔ گھر میں کوئی بھی نیا فون آتا تو اس کے سارے فنکشن دانیال کو معلوم ہوتے۔ اور سب افراد اس سے ہی سیکھتے۔ ایک بار دانیال اپنے خاندان کے ساتھ سمندر کی سیر کے لیے گیا۔ وہاں سب گھر والوں نے خوب لطف اٹھایا۔ سیر کے دوران ان سب کا ارادہ بوٹ کی سیر کرنے کا بنا۔ بڑوں نے منع بھی کیا کیونکہ یہ علاقہ ڈاکوؤں کی وجہ سے مشہور تھا۔ وہ لوگ سمندر میں بوٹ کے مسافروں کو لوٹ لیتے تھے۔ بلکہ قریبی جزیرے میں لے جا کر لوٹ مار کے بعد زخمی حالت میں چھوڑ دیتے تھے۔ کئی بار بوٹ کی سیر کرنے والوں کو پتہ بھی نہیں چلتا تھا۔ لیکن دانیال کے بڑے کزن بہن بھائیوں نے بات نہیں مانی اور بوٹ کرائے پر لے کر سمندر میں گھومنے چلے گئے۔ دانیال بھی ضد کر کے ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔ ان سب کے فوٹو موبائل سے بڑی خوشی خوشی بنا رہا تھا۔ جب گھومتے ہوئے کافی دیر ہوگئی تو انھوں نے واپسی کا ارادہ کیا۔ تبھی انھوں نے دیکھا کہ ایک بوٹ تیزی سے ان کی طرف آ رہی ہے۔ انھوں نے بوٹ والے سے کہا کہ بوٹ کو تیزی سے کنارے کی طرف لے جائے۔ تبھی کے گئے تبھی

دوسری طرف سے بھی ایک اور بوٹ آ گئی اور دونوں ان کا راستہ روکنے کی کوشش کرنے لگیں۔ اب تو سب ڈر گئے سب کے ہوش اڑ گئے کہ اب کیا کیا جائے۔کیا ہوگا۔ بڑوں کی باتیں ان کے کانوں میں سنائی دینے لگیں۔ بوٹ والا اچھا ڈرائیور تھا اس نے کنارے سے راستہ بناتے ہوئے بوٹ کو نکالنے کی کوشش کی۔ اس وقت سارے لڑکے بہت پریشان تھے۔لڑکیاں روتے ہوئے اللہ سے دعائیں مانگ رہی تھیں۔ سب کے دل میں ایک ہی خیال تھا اللہ ہمیں بچالے آئندہ ہم اپنے بڑوں کا کہنا مانیں گے۔

اسی وقت بوٹ والا کنارے کی طرف راستہ بنانے میں کامیاب ہوگیا۔ ابھی کنارہ دور تھا اچانک بوٹ کا انجن بند ہو گیا۔ اب اس میں کوئی خرابی ہوئی یا فیول ختم ہوگیا یہ اس وقت گھبراہٹ میں کوئی نہیں سمجھ سکا۔سب کے دماغ میں ایک ہی بات تھی کہ اب ہماری خیر نہیں۔ سب کو لڑکیوں کی فکر تھی کہ ان کا کیا ہوگا۔ وہ بوٹ والے جس طرح تھے لگ رہا تھا کہ ان کو یرغمال (بندھک) بنالیں گے۔اور ممکن ہے کسی نامعلوم جگہ پر لے جا کر اغوا دکھاتے ہوئے کچھ بھی مطالبہ کر سکتے ہیں۔ اس وقت تو ان کے پاس کچھ خاص مہنگی چیزیں تھیں نہیں۔ ان ڈاکوؤں نے ان کی بوٹ کو گھیر لیا۔اور ایک دو نے ان کی بوٹ میں کود کر ڈرائیور کو خوب پیٹا کہ وہ بھاگنے کی کوشش جو کر رہا تھا۔ساتھ ہی اور سب سے انھوں نے موبائل فون اور نقدی رقم چھین لی۔ گنتی کرنے پر ان کو وہ پیسے کم لگے۔ تبھی اچانک ان کا سردار بولا کہ ان سب کو کسی نزدیکی جزیرے پر لے جاتے ہیں اور ان کے گھر والوں سے مزید رقم وصول کریں گے۔ انھوں نے وہاں سے جانے کے لیے موبائل سے اپنے ساتھیوں کو فون بھی کیا۔ اور ہم لوگوں کو کہیں رکھنے کی بات بھی کی۔ ابھی ان کے ساتھیوں نے رکھنے کی جگہ کا پتہ بتایا ہی تھا کہ دور سے ان کو کوسٹل گارڈ کی بوٹ آتی دکھائی دی۔ ڈاکو حیران پریشان ان کو کیسے پتہ چلا کہ ڈاکا ڈال رہے ہیں کیونکہ نہ تو کوئی گولی چلی نہ ہی کسی قسم کا شور ہوا۔ کہ کوئی آواز گئی ہو۔آس پاس کوئی

بوٹ بھی نہیں تھی کہ کوئی سگنل ملا ہو۔

ڈاکوؤں نے ان لوگوں کو اپنے ساتھ لے جانے کا ارادہ کیا مگر ان کی بوٹ خراب ہونے کی وجہ سے یہ خیال چھوڑنا پڑا۔ اس لیے ڈاکوؤں نے ان کو اپنی بوٹ میں ہی لے جانے کا ارادہ کیا تب تک کوسٹ گارڈ ان کے کافی قریب آ چکے تھے۔ ساتھ ہی پولیس کی بوٹ بھی نظر آنے لگی تھی۔ سب حیران تھے کہ یہ سب کیسے ہوا کس نے پولیس کو اطلاع دی کس نے پولیس کو اطلاع دی۔ ڈاکو اپنی بوٹ میں کودنے لگے۔ جبکہ کچھ ڈاکو ابھی ان کی بوٹ میں تھے۔ جب پولیس اور کوسٹ گارڈ کی بوٹ پاس میں آئیں تو انھوں نے ڈاکوؤں سے ہتھیار ڈالنے کو کہا۔ اور ان کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔

پھر پولیس بولی کہ تم لوگ چلے جاؤ مگر ان معصوم لوگوں کو چھوڑ دو۔ پہلے تو ڈاکو نہیں مانے پھر بولے ہمیں تمھارا فیصلہ منظور ہے مگر ہم ایک کو ساتھ لے کر جائیں گے۔ گروپ اس بات پر راضی نہیں تھا۔ پولیس اور نیوی کی بوٹ بہت قریب آ چکی تھیں۔ اور گھیرا تنگ ہو گیا تھا۔ موقع پا کر ایک پولیس والے نے ڈاکو کے ہاتھ پر فائر کیا تو اس نے گھبرا کر اپنے ہاتھ پر نظر ڈالی اسی وقت دو نیوی والوں نے دو ڈاکوؤں پر رسی ڈال کر گرا دیا۔ پھر ہماری بوٹ میں کود کر ان سب کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ اب ڈاکو کے پاس کوئی راستہ نہیں تھا اس لیے انھوں نے بھی ہتھیار ڈال دیے۔

جب سب کنارے پر آئے تو ان کی زبانی سب سن کر والدین اور وہاں دیگر حضرات جو موجود تھے بہت خوش ہوئے اور شکر خداوندی ادا کرنے لگے...

کچھ ہی دیر میں پولیس اور کوسٹ گارڈ ڈاکوؤں کو پولیس تھانہ بھیج کر باقی معاملات طے کرنے کے لیے آ گئے۔ تب پتہ چلا کہ کسی نے سمندر سے ہی پولیس سے رابطہ کیا تھا اور لوکیشن بھی بھیجی تھی جس کی وجہ سے ڈاکو اپنی مہم میں فیل ہو گئے سب بولے کہ ہمارے موبائل فون تو ڈاکوؤں نے چھین لیے تھے۔ پھر کس نے پولیس کو اطلاع دی۔ سب اسی شش و پنج میں مبتلا تھے کہ کس نے یہ کام کر کے ہم سب کی جان بچائی۔ تبھی دانیال اپنی جگہ سے کھڑا ہوا اور ہنستے ہوئے بولا Say thanks to me جب ڈاکو ہمارا پیچھا کر رہے تھے موبائل آن رکھا۔ اور میرا موبائل ڈیٹا بھی آن تھا وہاں اس نے ایمرجنسی پولیس کا نمبر ملا کر فون جیب میں ڈال لیا ڈاکوؤں نے سب کے فون چھین لیے ان کو یہ احساس نہیں تھا کہ اس بچّے کے پاس بھی کون ہو سکتا ہے۔ اسی وقت سگنل ملنے شروع ہو گئے۔ جب ڈاکوؤں نے بولنا شروع کیا تو ان کی آوازیں موبائل سے پولیس کے ایمرجنسی نمبر پر سنی جانے لگیں۔ وہ سمجھ گئے کہ سمندر میں کسی جگہ پر ڈاکوؤں نے تو سیاحوں کو گھیر لیا ہے۔ پولیس نے کوسٹ گارڈ کو اور انھوں نے نیوی کو اطلاع دے دی ساتھ ہی ساتھ کو ان کو لوکیشن بھی مل گئی اور وہ سب ہمیں بچانے کے لیے وہاں پہنچ گئے۔ دانی کی سب نے خوب تعریف کی اور سب نے دانیال کو ایک ساتھ اٹھا لیا ان سب کو حادثے میں بچ جانے کی خوشی ہوئی۔

اس لیے کسی بھی چیز کا استعمال برا نہیں ہوتا غیر ضروری اور زیادتی ہر چیز کی غلط ہے۔ موبائل کا صحیح استعمال فائدہ مند ہے۔

اسی لیے کہتے ہیں کہ پریشانی میں بھی دل دماغ کو حاضر رکھنا چاہیے تا کہ ہوش قائم رہے اور کسی بھی مصیبت سے بچا جائے۔

■

Chashma Farooqi
25/3, Joga Bai, Jamia Nagar
New Delhi - 110025
Mob.: 9540261238

باغبان ہارون رشید

رازِ حیات

ایک گاؤں تھا، آنند نگر اپنے نام کی طرح خوشحال اور آنند سے بھرا ہوا۔ گاؤں کے ہر گھر میں خوشیاں تھیں۔ اُن کی ان خوشیوں کو دوبالا کرنے کے لیے ایک سوامی جی گاؤں میں آ گئے۔ سوامی نہایت عبادت گزار تھے اور لوگوں کے چہرے دیکھ کر اُن کے مستقبل کا حال سنا دیتے اور ان کی پیشن گوئیاں بھی صحیح ثابت ہوتیں۔ اسی لیے دن بہ دن سوامی جی کی کٹیا میں لوگوں کا تانتا لگا رہتا۔ سوامی جی کی آمد کی خبر پھیلتے ہوئے گاؤں کے مکھیا تک پہنچی۔ مکھیا گاؤں کا سب سے امیر اور طاقتور آدمی تھا۔ کیوں نہ ہو؟ اس کے پاس کئی ایکڑ زمین اور درجنوں ہٹے کٹے، کارندے جو تھے؟ یہ کنجوس مکھیا چاہتا تھا کہ ہر روز اس کی دولت میں اضافہ ہو اور لکشمی اس کی تجوری میں آرام کرتی رہے۔

جب مکھیا نے سوامی کے آنے کی خبر سنی تو اس کے دل میں اپنا مستقبل جاننے کی خواہش اُبھری۔ وہ فوراً ندی کے کنارے بنی سوامی کی کٹیا کی طرف چل دیا۔ وہ تیز قدم بڑھاتا گاؤں کے بازار سے گزرا۔ بازار میں مختلف دکانیں لگی تھیں اور لوگ اپنی اپنی ضرورت کی چیزیں خرید رہے تھے۔ جب وہ کٹیا کے قریب پہنچا تو اطراف میں کھڑے گاؤں کے لوگوں نے راستہ دیا۔ وہ ان سب کو نظر انداز کرتا، نہایت شاہانہ انداز میں کٹیا میں داخل ہوا۔ اس نے دیکھا کہ لمبی سفید داڑھی اور دراز بالوں والا ایک سادھو نہایت ہی اطمینان سے گاؤں کے موچی شاہو کی کنڈلی دیکھ رہا ہے۔ مکھیا کی آمد پر مہاراج نے سر اٹھایا اور اسے دیکھ کر مسکرانے لگے۔ شامو نے مکھیا کو نمسکار کیا مگر مکھیا نے نظر انداز کر دیا اور سوامی کو سوالیہ نگاہوں سے

دیکھنے لگا۔

سوامی جی نے مکھیا کے انداز کو بھانپ لیا اور کہا ”آؤ پتر ہمارے قریب آؤ“۔ مکھیا ان کے قریب گیا۔ اس نے سوامی جی سے پوچھا ”مہاراج میں نے سنا ہے کہ آپ کو دنیا کی کسی چیز سے لگاؤ نہیں۔ اپنے جیون کی ہر خواہش کو آپ نے کیسے قابو میں کیا؟“

یہ سن کر سوامی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ چھا گئی۔ انھوں نے مکھیا کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے مکھیا کے ہاتھوں کو دیکھنا شروع کیا۔ چند لمحوں کے بعد انھوں نے مکھیا سے کہا ”مکھیا! تمھارے ہاتھ کی لکیریں بتا رہی ہیں کہ تمھاری زندگی کا خاتمہ ہونے والا ہے۔ یہ تمھاری زندگی کی کی آخری رات ہے کل سورج کی پہلی کرن کے ساتھ تم مرجاؤ گے۔ اب اپنی زندگی کے بارے میں کچھ جان کر کیا کرو گے؟“

یہ سنتے ہی مکھیا کا چمکتا چہرہ مرجھا گیا۔ آنکھوں میں بسا غرور غائب ہوگیا۔ مکھیا نڈھال ہو کر کٹیا کے باہر نکلا۔ بازار میں اب بھی زندگی کی گہما گہمی تھی۔ لوگ اپنی اپنی ضرورتوں کے سامان خرید رہے تھے۔ مگر اس چہل پہل سے بے خبر مکھیا ہر چیز کو حسرت بھری نظروں سے تکتا ایک لاش کی طرح گھر کی طرف چلتا رہا۔ وہ گھر پہنچتے ہی چارپائی پر ڈھیر ہوگیا۔ ہر چیز اور ہر حرکت سے بے نیاز بستر پر لیٹا۔ آسمان کو تکنے لگا۔ مکھیا کی بیوی نے فکرمند ہوکر طبیعت کا حال معلوم کیا، کھانا کھا لینے کو کہا مگر مکھیا نے نہ کسی سے بات کی اور نہ ہی کچھ کھایا پیا۔ گھر میں کہرام سا مچ گیا۔ ہر وقت گرجنے برسنے والا مکھیا ایسے خاموش ہوگیا تھا جیسے گونگا ہو۔ اس دوران چند لوگ قرض لوٹانے آئے۔ کچھ کاغذات لے کر آئے۔ مگر مکھیا نے کچھ نہیں لیا۔ اس نے تمام لوگوں اور گھر والوں کو قریب بلایا اور دھیمی آواز میں کہا ”اے لوگو! یہ میری زندگی کی آخری رات ہے۔ اب تک میں نے تم لوگوں پر سختی کی، تمھیں ستایا، پریشان کیا، مگر اب یہ میرا آخری وقت ہے۔ آج میں تم سب سے معافی مانگتا ہوں۔ اگر تم میرے گناہوں کو معاف کردو تو میں چین سے مر سکوں گا!

اسی جملے کے ساتھ رشتے داروں کی ہچکیاں بندھ گئیں اور گھر میں ماتم چھا گیا۔ وقت بڑھتا گیا۔ رات گزرنے لگی، مگر یہ رات مکھیا کے لیے ایسی رات تھی جس کا ہر لمحہ اس کی موت کا اعلان تھا۔ ساری رات کوئی ایک پل بھی سو نہ سکا۔ رات بھر ماتم ہوتا رہا۔ رفتہ رفتہ آسمان میں سفیدی اور مکھیا کے چہرے پر موت کی زردی چھانے لگی۔

دور مندر سے گھنٹی کی آوازیں اور مسجد سے حق وصداقت کی اذان سنائی دینے لگی۔ سورج نے مشرق سے اپنا سر اُبھارا اور سارا عالم زرد ہوگیا۔ مکھیا کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ گئے۔ اب وہ بالکل خاموش ہوگیا تھا۔ گھر میں رونے پیٹنے کی آوازیں تیز ہوتی گئیں۔

مکھیا نے آخری بار اپنے گھر اور جائیداد پر ایک حسرت بھری نظر ڈالی۔ اسی وقت اسے سوامی جی آتے دکھائی دیے۔ سوامی جی جیسے نیک اور اعلیٰ کردار شخص کو دیکھ کر اسے اطمینان ہوا۔ اس نے سوچا مرنے سے پہلے خوش قسمتی سے ایک اچھے اور بلند اخلاق شخص کا چہرہ تو نظر آیا۔ یہ سوچ کر مکھیا نے عقیدت سے آنکھیں بند کرلیں۔

سوامی جی لوگوں کے نمسکار کا جواب دیتے ہوئے آگے بڑھے اور مکھیا سے کہا، ”اب فکر چھوڑ دو پتر! اب تمھارے مشکل لمحے گزر گئے ہیں۔ سورج پورا نکل چکا ہے اور تمھاری موت کب کی ٹل چکی ہے۔“

یہ سنتے ہی سب کے چہرے کِھل اُٹھے۔ ہر طرف خوشی کی لہر سی دوڑ گئی۔ مکھیا کے جسم میں جان آ گئی۔ وہ ایسے اُٹھا جیسے گہری نیند سے جاگا ہو۔ اس سے پہلے کہ وہ سوامی جی سے

پوچھتا یہ سب کیسے اور کیوں ہوا؟ اس کی موت کیسے ٹل گئی؟ اور سوامی جی نے اس کے مرنے کی بات کیوں کہی تھی؟

سوامی جی نہایت اطمینان سے کہنے لگے ’’بیٹا! کل تم نے مجھ سے سوال کیا تھا کہ میں زندگی سے اس قدر بے فکر اور لاتعلق کیونکر ہوں؟ میں نے ہر چین، خوشی اور ہر خواہش کو قابو میں کیسے کیا ہے؟ تو اب ذرا یہ بتاؤ کہ تمھیں جب یہ معلوم ہوا کہ تم اب مرجاؤ گے تو اُس وقت سے اب تک کسی سے جھوٹ بولا؟ کسی کو ستایا، تکلیف دی؟ کسی کا حق مارا؟ کوئی خواہش تمھارے دل میں جاگی؟ نہیں نا؟ بالکل اسی طرح ایک دن میری سمجھ میں آگیا کہ مجھے آج نہیں تو کل مرنا ہے، تو میرے دل سے ہر خواہش، آرزو، حرص اور ایسی تمام چیزیں دور ہوگئیں۔ اسی لیے بیٹا! اگر کوئی انسان یہ جان لے کہ اسے ایک دن مرنا ہے اور یہ چیزیں اس کے کسی کام نہیں آئیں گی تو انسان میری طرح مطمئن اور دنیا کی ہر چیز سے بے فکر ہو کر جی سکتا ہے۔ زندگی کی ہر حرص وہوس سے آزاد رہ کر پرسکون زندگی گزار سکتا ہے۔ یہی رازِ حیات ہے۔‘‘

سوامی جی نے اپنا جواب مکمل کیا اور جنگل کی طرف رخ کیا۔ مکھیا اور گاؤں والوں کی آنکھیں دور لہلہاتے کھیتوں کے بیچ سوامی جی کی پرچھائی کو تک رہی تھیں۔

■

Dr. Baghban Haroon Rashid
401, Begum Peth
Ayesha Azeez Apartment
Solapur - 413001 (Maharashtra)
Mob.: 9890067765

ایاز شاکر ریتھ پوری

ببلو میاں اور دانت کا درد

پچھلے کافی دنوں سے ببلو میاں دانت کے درد سے بہت پریشان تھے اور جب درد حد سے زیادہ بڑھ گیا (بقول رمضانی) تو وہ ہمارے پاس تشریف لائے اور مارے تکلیف کے اپنے چہرے کو کبھی ہندوستان اور کبھی سری لنکا کے نقشے کی شکل میں دیتے ہوئے یوں گویا ہوئے کہ ”ڈاکٹر صاحب میرے دانت کو اس کے دشمنوں نے (یعنی کیڑوں نے) اندر سے پورا کھوکھلا کر دیا ہے اور اس بے چارے نے شرافت سے اپنی شکست قبول بھی کرلی ہے۔ اسی لیے ہم سوچ رہے ہیں کہ اس دانت کو نکال ہی دیا جائے کیونکہ نقصان تو دانت کو پہنچ رہا ہے۔ مگر ناقابل برداشت تکلیف ہمیں برداشت کرنی پڑ رہی ہے۔ افسوس تو بہت ہوگا کیونکہ اس کا ہمارا ساتھ کافی عرصے کا ہے مگر دنیا تو سرائے فانی ہے۔ اس کی جدائی کا درد بھی جھیل ہی لیں گے۔“

ان کی یہ عالمانہ باتیں سن کر ہم گھبرا گئے اور اس سے پہلے کہ ہماری آنکھوں سے آنسو بہتے فوراً سنبھل کر پوچھا کہ ”کیا بہت زیادہ درد ہو رہا ہے؟“ تو کہنے لگے ”ایسا ویسا درد؟ اس درد کی وجہ سے بہت کم بول پا رہا ہوں۔ بس اتنا سمجھ لیجیے کہ بقول شاعر نا معلوم...

سانس لیتا ہوں تو دانت کو ہوا لگتی ہے
درد اتنا ہے کہ دعا نہ دوا لگتی ہے

ان کے دانت غور سے دیکھنے پر پتہ چلا کہ جس طرح نادر شاہ نے دہلی کو تباہ کیا تھا۔ اسی طرح تاریخ نے اپنے آپ کو یہاں دہرایا ہے۔ فرق صرف یہ تھا کہ یہاں نادر شاہ کے بجائے کیڑے تھے اور دہلی کے بجائے ان کا دانت۔ درد

دانت کے بچے ہوئے اسی حصے میں ہو رہا تھا۔ جس پر کافی پہلے کیڑوں کا زور پھیل چکا تھا اور پچھلے کچھ دنوں سے کسی چالاک دشمن کی طرح انھوں نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔ غالب کا خیال یہی ہے کہ اس وقت کیڑا اکیلا ہوگا اور اب شاید وہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ یا پھر اپنی فوجی طاقت کو بڑھا کر دوبارہ میدان کارزار میں خیمہ زن ہو چکا تھا۔ گویا زبانِ حال سے کہہ رہا ہو کہ ''اب ہم نہیں یا دانت نہیں۔''

ابھی ہم یہ سوچ ہی رہے تھے کہ ببلو میاں کی درد بھری آواز سن کر چونکے۔ انھیں تسلی دی اور ایک ڈینٹسٹ (دانت کے ڈاکٹر) کا پتہ دے کر کہا کہ آپ یہاں جا کر دانت نکلوا لیجیے۔ اس پر وہ کہنے لگے کہ ''دوسرا کوئی طریقہ نہیں ہے دانت نکلوانے کا؟'' ہم نے کہا ''پھر تو ایک یعنی اونلی اینڈ ون (Only & one) ہی طریقہ ہے'' بڑی دلچسپی سے پوچھا ''کون سا؟'' ہم نے کہا ''کسی کو گالی دیجیے یا پھر جان بوجھ کر لڑائی کر لیجیے۔ اگر وہ خدا کا بندہ صحیح طریقے سے آپ کے منہ پر گھونسا مارے تو دانت فری (مفت) میں ہی نکل جائے گا۔ ان کے چہرے پر جو خوشی جھلکنے لگی تھی۔ اچانک پوری کی پوری غصے میں بدل گئی، گھور کر دیکھا اور بولے ''یہ کم بجٹ میں زیادہ آواز والا مشورہ اپنے پاس ہی سنبھال کر رکھیے اور اگر آپ کے دانت میں بھی درد ہو اور خدا کرے کہ ضرور ہو تو اس ناچیز یعنی بندہ مبتلائے آزار دانت کو ضرور یاد کیجیے گا۔ آپ کا کام مفت کر کے مجھے بے حد خوشی ہوگی۔

اس کے بعد ہوا یہ کہ ہمارے پاس سے جا کر ببلو میاں نے اپنے دوست رمضانی کو ساتھ لیا اور ڈینٹسٹ کے پاس چلے گئے اور ہم اپنے اس مریض کا معائنہ کرنے لگے جو بار بار کھانس کر گویا با آواز بلند یہ اعلان کر رہا تھا کہ چاہے کچھ بھی ہو جائے میں سگریٹ اور تمبا کو کبھی نہیں چھوڑوں گا اور تیرے مقابلے میں اسی طرح ڈٹا رہوں گا۔ ہمارے اس مریض کی جیب سے سگریٹ کا پیک صاف نظر آ رہا تھا جسے وہ جیب پر ہاتھ رکھ کر ہم سے چھپانے کی ناکام کوشش کر رہے تھے اور ہم ان کے پیٹ پر اسٹیمو اسکوپ لگائے ہوئے یہ سوچ رہے تھے کہ ان کے پیٹ میں جو آوازیں آ رہی ہیں وہ سچ مچ کی ہیں یا ہم کسی زنگ آلود انجن کی کھٹر پٹر سن رہے ہیں۔

شام کے وقت رمضانی ہمارے کلینک میں داخل ہوا۔ اس کے ساتھ ایک خدا کا بندہ اور بھی تھا جس نے اپنے چہرے پر رومال لپیٹ رکھا تھا اور بڑی مشکل سے چل پا رہا تھا۔ جب اس خدا کے بندے نے اپنے چہرے سے رومال ہٹایا تو پتہ چلا کہ وہ ببلو میاں ہیں۔ ہمیں ان کی یہ حالت دیکھ کر اتنا افسوس ہوا کہ ایک ہی سانس میں دو گلاس پانی پہلے تو خود پیا اور پھر انھیں بھی پوچھا تو ببلو میاں انکار میں سر ہلانے لگے۔ ہم نے پوچھا ''دانت نکلوا یئے؟'' تو ہاں میں سر ہلانے لگے پھر پوچھا کہ ''زیادہ تکلیف تو نہیں ہوئی؟'' تو گھور کر دیکھنے لگے ''مانو ہم نے زخموں پر نمک چھڑک دیا ہو۔'' ہم نے ذرا سنبھل کر پوچھا ''دوائی لے آئے؟'' تو چپ چاپ جیب سے دوائی نکال کر ہمارے سامنے رکھ دی۔ اور غوں غاں کرنے لگے اور اپنے منہ کی طرف اشارہ کیا۔ رمضانی نے ہمیں مخاطب کیا اور کہا کہ ببلو میاں کا جو دانت نکالا جا چکا ہے اس خالی جگہ پر ایک بڑا سا کپاس کا پھایا رکھا ہوا ہے اس لیے وہ بات نہیں کر سکتے۔ ہم نے باقی احوال رمضانی سے دریافت کیا تو رمضانی نے نان اسٹاپ (بنا رکے) جو حالات بیان کرنا شروع کیے تو اتنے جذباتی ہو گئے کہ ادھر ادھر ہاتھ ہلا کر ہمارے کلینک کی کافی چیزیں فرش پر گرا دیں۔ شہادت کے مرتبے پر فائز ہونے والی ان اشیاء میں ایک کانچ کا گلاس ہمارے ٹیبل پر رکھا ہوا نقش و نگار والا گلدان اور پانی کی بوتل شامل تھی۔ رمضانی نے

ڈینٹسٹ کے کلینک سے دانت نکلوا کر آنے تک کا ببلو میاں کا جو حال بیان کیا اس سے ہم نے تو یہی نتیجہ اخذ کیا کہ اگر ببلو میاں ہمارے اونلی اینڈ ون فارمولے پر عمل کر کے ہی دانت نکلوا لیتے تو بہتر تھا۔ ہم نے ببلو میاں کو دوائی کے بارے میں ضروری ہدایات دیں اور ببلو میاں کسی پرانے مریض کی طرح رمضانی کے سہارے گھر چلے گئے۔

شام کو رمضانی نے ہمیں آ کر بتایا کہ ببلو میاں کی طبیعت خراب ہوگئی ہے۔ ہم رمضانی کے ساتھ ببلو میاں کے گھر پہنچے تو وہ اپنے کمرے میں لیٹے ہوئے تھے۔ ان کے والد صاحب نے ہمیں بتایا کہ کمزوری کی وجہ سے ببلو میاں کی آنکھوں تلے بار بار اندھیرا چھا رہا ہے (رمضانی کا خیال تھا کہ شام ہوگئی تھی اس لیے ایسا لگ رہا تھا اور ہم اس کے اس قیمتی خیال سے متفق تھے) اور دانت کی جگہ درد بھی بہت ہو رہا ہے۔ ہم نے ببلو میاں کو آواز دی تو انھوں نے بڑی مشکل سے آنکھیں کھولیں، کسی الو کی طرح پلکیں جھپکائیں اور دوبارہ آنکھیں بند کرلیں۔ گویا زبانِ حال سے کہہ رہے ہوں کہ

”چراغ طور جلاؤ بہت اندھیرا ہے
کہیں سے روشنی لاؤ بہت اندھیرا ہے

قصہ مختصر یہ کہ دانت نکلوانے کے بعد دو تین دن تک ببلو میاں کا کافی برا حال رہا، دانت نکلوانے کے بعد اتنا برا حال ہوتے ہوئے ہم نے تو کسی کا نہیں دیکھا۔ کچھ دنوں بعد ببلو میاں کی حالت سنبھلی تو وہ ہمارے گھر تشریف لائے اور دانت نکلوانے کا آنکھوں دیکھا حال ہمیں سنایا اور اٹکتے اٹکتے سنایا کیونکہ دانت نکلوانے کا ان کا پہلا تجربہ تھا جو کہ کافی مہنگا پڑ رہا تھا۔ ابھی تک انھیں بات چیت کرنے میں تکلیف ہو رہی تھی۔

آپ ان کی حالتِ زار خود ان کی زبانی سنیے۔ کہنے لگے:

”کیا بتاؤں ڈاکٹر صاحب! اس دن درد سے اس قدر برا حال تھا کہ دواخانے جاتے وقت راستے میں کوئی دشمن مل جاتا تو میں وہیں اس سے لڑائی کر کے دانت نکلوا لیتا مگر افسوس اس دن میرے دشمنوں کی قسمت اچھی اور میری خراب تھی کہ کوئی ملا ہی نہیں۔ میں جب رمضانی کے ساتھ دانت کے ڈاکٹر کے پاس پہنچا تو ڈاکٹر صاحب کے کیبن سے ایک عمر رسیدہ بزرگ باہر آ رہے تھے۔ ان کی عمر کے حساب سے میں نے اندازہ لگایا کہ جو دانت خدا کے فضل و کرم سے بچ گئے ہوں گے وہ بھی ڈاکٹر کے حوالے کر کے جا رہے ہیں۔ ان کی حالت اتنی خراب ہوگئی تھی کہ میرے دل میں آیا کہ یہیں سے واپس چلا جاؤں اور کسی دشمن سے نہیں تو رمضانی سے ہی لڑائی کر کے دانت نکلوالوں مگر پھر یاد آیا۔ بقول شاعر۔

سنگ اٹھایا تھا کہ سر یاد آیا

وہ یہ کہ کم بخت رمضانی پیٹ میں مکا مارنے میں ماہر ہو چکا ہے، منہ پر صحیح طریقے سے مکا کبھی نہیں مارے گا۔ مجبوری تھی۔ ہمیں ڈاکٹر صاحب کے کیبن میں جانا ہی پڑا۔ اندر جا کر ٹیبل پر لیٹنے کے بعد ڈاکٹر صاحب نے ہمارے دانت کا معائنہ کیا اور ایک چاقو نما آلے کے ذریعے ہمارے دانت کے خلاف میدان میں ڈٹ گئے۔ مشکل تو یہ تھی کہ ڈاکٹر صاحب ساتھ ساتھ سوالات بھی پوچھتے جا رہے تھے کہ کیڑا کب سے لگا ہے؟ درد کب سے ہو رہا ہے؟ اس سے پہلے کس ڈاکٹر کو دکھایا ہے؟ کہاں سے آئے ہو؟ کھانا کھایا یا نہیں؟ ساتھ میں کوئی ہے یا اکیلے آئے ہو؟ دانت تو پورا خراب ہو چکا ہے۔ پہلے کیوں نہیں آئے؟ جب ڈاکٹر صاحب نے ایک کے بعد ایک ساتھ سات سوال پوچھ لیے تو میں پریشان ہوگیا۔ حاتم طائی کو تو اس کے سات سوالات کے جوابات لانے کے لیے کافی وقت دیا گیا تھا۔ مگر ہماری مجبوری وقت نہیں تھا بلکہ منہ تھا۔ ہم انھیں جواب نہیں دے سکتے تھے

کیونکہ ہمارا منہ کھلا ہوا تھا اور ڈاکٹر صاحب ایک چاقو نما آلے سے دانت کو چیک کر رہے تھے۔ خدا خدا کر کے ان کے چاقو نما آلے کے قدم مبارک ہمارے منہ سے نکلے اور ہم نے چاہا کہ ان کے سوالات کے جوابات دیں مگر شاید ڈاکٹر صاحب کو اپنے سوالات کے جوابات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی کیونکہ ڈاکٹر صاحب نے فوراً ایک انجکشن جو کہ تیار رکھا ہوا تھا ہمارے دانت کے قریب لگا دیا۔ بقول ڈاکٹر صاحب کے وہ بے حس (سن) کرنے والا انجکشن تھا۔ ہم نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب اس انجکشن کی کیا ضرورت تھی؟ آپ ویسے بھی دانت نکال لیتے تو ہم درد برداشت کر لیتے۔'' اتنا سنتے ہی ڈاکٹر صاحب آبدیدہ ہو گئے اور بولے کہ پچھلے دنوں ایک مریض کو (جو کہ پہلوان تھا) یہ انجکشن لگانا بھول گیا اور ویسے ہی دانت نکال لیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے'' یہ کہہ کر اپنا منہ کھول کر دکھانے لگے جہاں سامنے ہی دو دانت نقلی ہونے کے باوجود بہار دکھلا رہے تھے۔ اس کے بعد ہمیں باہر جا کر تھوڑی دیر انتظار کرنے کو کہا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب میں اندر گیا تو ٹیبل پر لیٹنے کو کہا اور مختلف اوزاروں کے ساتھ بے چارے دانت پر حملہ کر دیا اور بے چارہ دانت اس قدر شرافت سے قربان ہو گیا کہ اس وقت تو ہمیں پتہ بھی نہ چلا۔ اس کے بعد جو ہم درد میں مبتلا رہے تو وہ اس جگہ پر درد ہو رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جب کہ دانت کے نکال جانے کے بعد کسی خالی پلاٹ کی طرح ویران پڑی زمین اپنے اجڑنے پر ماتم کر رہی ہے۔''

بلو میاں نے ہمیں یہ باتیں سنانے کے بعد اس بات پر بھی افسوس ظاہر کیا کہ ان کا وہ دانت جو ڈاکٹر صاحب نکال چکے تھے، وہ وہیں پر رہ گیا تھا۔ بلو میاں کا خیال تھا کہ بھلے ہی وہ دانت کیڑوں کے حملے کا شکار ہو کر چھوٹا ہو گیا تھا، مگر تھا تو پٹھان کا دانت! بلو میاں نے بچپن میں خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ اس دور کے لوگ اپنے نکل جانے والے دانتوں کو گھر کی چھت پر پھینکا کرتے تھے تاکہ گھر کی چیز گھر ہی میں حفاظت سے رہے۔ ''تو نہیں تو تیری یاد سہی'' کے مصداق۔ اب پتہ نہیں وہ دانت کہاں پڑا ہوگا۔ بقول شاعر۔

کتنا تھا بدنصیب وہ دانت چین کے لیے
تھوڑی جگہ بھی مل نہ سکی گھر کی چھت پر

بلو میاں تو یہاں تک سنا کر چلے گئے مگر ہمیں پتہ چلا ہے کہ تادمِ تحریر، ان کی یہ حالت دیکھ کر ان کے تمام دوستوں نے ابھی سے اپنے دانتوں کے بارے میں سوچ کر مارے فکر کے دبلا ہونا شروع کر دیا ہے۔ رمضانی کے بارے میں پتہ چلا ہے کہ جیب میں برش رکھ کر گھومنا شروع کر دیا ہے۔ جب بھی تھوڑی سی فرصت ملی کہ دانتوں کو برش کرنا شروع کر دیتا ہے۔ بنا ٹوتھ پیسٹ کے۔ ایک بار پٹھان چوک جیسے رَش والی جگہ پر اپنے کسی دوست کا انتظار کرتے ہوئے وہیں دانتوں کو برش کرنا شروع کر دیا اور رہی بات بلو میاں کی تو ان کا تو یہ حال ہے کہ اتفاق سے کسی دشمن کے سامنے سے گزر ہو، یا کسی سے تکرار ہو جائے تو با آواز بلند یہ شعر پڑھتے ہوئے گھر کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں کہ۔

خدا کرے اپنی عداوت کا وہ مقام آئے
ہو تجھے دانت درد اور یاد میرا نام آئے

■

Dr. Ayaz Shakir Raithpuri
C/o Vidarbh Library, Jameel Colony Chowk
Amrawati
Post & Distt: Amrawati - (Maharashtra)

نیلوفر سعدیہ

اعتبار

شام ساڑھے چھ بجے کا وقت تھا۔ اس وقت پارک بچوں سے بھرا ہوا تھا۔ موسم صاف اور خوشگوار تھا۔ پارک کی سبز اور نرم گھاس پر بچے الگ الگ کھیل کھیلنے میں مصروف تھے۔ انھیں بچوں میں عفنان اور فرقان بھی موجود تھے جو اپنی فٹ بال سے کھیلنے میں بے حد مشغول تھے۔ عفنان کے دادو جان بھی ان کے ساتھ پارک آئے تھے وہ سارے بچوں کو مسکراتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ دادو جان آرام سے بینچ پر بیٹھے اپنی بچپن کی یادیں تازہ کررہے تھے تب عفنان نے بال کو زور سے کک ماری اور بال پارک کے دوسرے کونے میں آگری... فرقان ہنسنے لگا اور اس کی تعریف کر کے کہنے لگا ’’ماننا پڑے گا عفنان تم مجھ سے کئی درجے بہتر کھیلتے ہو...‘‘

عفنان تعریف سن کر مسکرایا... اور کہا:

’’تم ہمیشہ میری تعریف کرتے رہتے ہو... میں تو بس ٹھیک ٹھاک کھیل لیتا ہوں‘ فرقان مسکرا کر بال لانے گیا اور وہ دونوں پھر کھیلنے میں مصروف ہوگئے۔ عفنان اور فرقان دونوں نہم (نویں) جماعت میں تھے اور چار سال کی عمر سے ہی وہ دونوں دوست تھے۔ وقت کے ساتھ ساتھ ان کی دوستی اور مضبوط ہونے لگی۔ پورے اسکول میں ان دونوں کی دوستی کے چرچے تھے۔ دونوں ساتھ اسکول جاتے۔ ساتھ ٹفن کھاتے، ساتھ ساتھ پڑھائی کرتے۔ امتحان کی تیاری کرتے۔ دادو جان اور ان دونوں کے والدین بھی ان کی دوستی کو دیکھ کر نہایت خوش ہوتے مگر عفنان اور فرقان کو نہیں پتہ تھا کہ ان کی

کہانی

کلاس کا ایک لڑکا محسن ان کی دوستی سے حسد کرتا ہے۔ محسن شروعات سے ہی ان دونوں کی اس مثالی دوستی کو توڑنے کے منصوبے سوچنے میں مگن رہتا۔ وہ جل کر خاک ہو جاتا۔ جب عفنان اور فرقان کو ہر امتحان میں بہترین نمبروں سے کامیاب ہوتے دیکھتا۔ ایک دن عفنان اور فرقان ساتھ اسکول آئے۔ ساری کلاس میں بچوں کی گہما گہمی تھی۔ عفنان اور فرقان دونوں اپنی جگہ پر آکر بیٹھے اور کلاس روم میں ٹیچر کے آتے ہی سب خاموشی سے کھڑے ہو گئے اور ادب سے سلام کیا۔ ٹیچر نے سب کو بیٹھنے کی اجازت دی۔ سب بیٹھ کر اپنے بیگ سے کتاب نکالنے لگے۔ تب ہی ٹیچر نے کہا۔

''بچوں میں نے کچھ دن پہلے تم سب کا 20 نمبر کا ٹیسٹ لیا تھا آج میرے ہاتھوں میں اس کا نتیجہ ہے۔'' یہ سنتے ہی سارے بچے بے قرار ہو گئے۔ فرقان نے خوشی کے عالم میں عفنان کو دیکھا اور کہا:

''ہم نے بہت محنت کی تھی۔ عفنان دیکھتے ہیں کتنے نمبر ملے ہیں۔'' عفنان نے اثبات میں سر ہلایا اور ٹیچر نہایت متانت و سنجیدگی سے سب کو دیکھ رہے تھے۔ انھوں نے کچھ دیر کے بعد کہا:

''میں نے جو اردو کا ٹسٹ لیا تھا اس میں ایک لڑکا اوّل آیا ہے اور اس کا نام ہے محسن۔'' یہ سنتے ہی سب کے سب دم بخود ہو گئے اور محسن کو دیکھنے لگے۔ محسن گھبرایا ہوا تھا۔ نظریں نیچی کر کے بیٹھا رہا۔ ٹیچر نے اس کی گھبراہٹ پر غور کرتے ہوئے کہا ''محسن کھڑے ہو جاؤ۔'' وہ کھڑا ہو گیا۔

''محسن تم خوش نہیں ہو؟'' ٹیچر کے کہنے پر وہ فوراً ہاں میں سر ہلاتا ہے تو ٹیچر نے پھر پوچھا ''کس لیے خوش ہو؟'' محسن نے بہ آسانی کہہ دیا ''میں نے محنت کی اور میں اوّل آیا اس لیے۔''

''اچھا تو تم نے محنت کی؟'' ٹیچر نے اپنا غصہ ضبط کر کے کہا تو محسن نے پھر اثبات کا اظہار کیا، ٹیچر نے اس کے جھوٹ پر تعجب کر کے کہا: ''محسن مجھے شرمندگی ہو رہی ہے۔ یہ کہتے ہوئے کہ تم میرے طالب علم ہو... مجھے پتہ ہے تم نے کوئی محنت نہیں کی بلکہ تم نے نقل کی ہے۔'' سب بچے حیرانی سے سن رہے تھے ''اور تم جھوٹ بول رہے ہو کہ تم نے محنت کی ہے۔''

محسن ڈر کر بولا ''نہیں میں نے نقل نہیں کی'' وہ اب بھی جھوٹ بول رہا تھا اور ساتھ ہی یہ سوچ کر حیران تھا کہ ٹیچر کو کیسے پتہ چل گیا کہ اس نے نقل کی ہے ''تم کتنے جھوٹ بولو گے محسن۔ تم ضرور پریشان ہو گے کہ مجھے کیسے پتہ چلا مگر تم نے شاید یہ نہیں سوچا کہ میں نے کل تم سے ایک سوال پوچھا تھا جو ٹیسٹ کیے سوالوں سے بہت زیادہ آسان تھا مگر تم نے اس سوال کا جواب نہیں دیا۔ تو یہ ظاہر ہے کہ تم ٹیسٹ کے اتنے مشکل سوالات کو اتنی آسانی سے کیسے لکھ سکتے ہو۔'' محسن نے نظریں نیچی کیں اور ساری کلاس کے بچے محسن کو دیکھ رہے تھے۔

''محسن جلدی اپنی غلطی کو قبول کرو ورنہ مجھے تمھارے والدین سے شکایت کرنی ہوگی'' محسن نے گھبرا کر قبول کر لیا کہ اس نے نقل کی تھی۔

ٹیچر نے افسوس ظاہر کرتے ہوئے کہا ''تم کیوں نہیں سمجھ پائے محسن کہ نقل کرنا کتنا غلط ہے یہ دوسرے ہونہار بچوں کے ساتھ ناانصافی ہے وہ محنت کرتے ہیں دن رات پڑھتے ہیں اور تم جیسے بچے نقل کر کے ان کی محنت پر پانی پھیر دیتے ہو کیا یہ درست ہے؟ نقل کر کے جو نمبرات حاصل ہوتے ہیں اس سے ویسی خوشی نہیں ملتی جو محنت کر کے ملتی ہے۔ خیر... تم کل اپنے والد صاحب کو ساتھ لے کر آنا'' یہ سن کر محسن کے پیروں تلے سے زمین کھسک گئی... اس نے بہت معافی مانگی

آئندہ نقل نہ کرنے کا وعدہ کیا۔ پر وہ اندر سے وہی محسن تھا وہ بس ظاہری معافی مانگ رہا تھا۔ باطن سے وہ ذرا بھی شرمندہ نہیں تھا ٹیچر اس پر ترس کھا کر اس کی بات مان کر اسے معاف کرنے پر راضی ہوگئے۔

اگلے دن وہ پارک میں آیا تھا اور دیکھا کہ عفنان اور فرقان کھیل رہے تھے اور ٹیسٹ میں ان دونوں کے نمبرات سب سے زیادہ تھے پھر جلن اور حسد نے اس کے دل میں جگہ بنائی۔ عفنان کے دادا آج بھی بینچ پر بیٹھے انھیں دیکھ رہے تھے آسمان میں نارنجی رنگ پھیلا ہوا تھا سورج بے تحاشا خوبصورتی سمیٹے ہوئے دلکش منظر پیدا کر رہا تھا۔ مغرب ہونے والی تھی۔ دادو نے دونوں کو آواز لگائی ''ارے بیٹا عفنان۔ فرقان... بہت ہوگیا کھیلنا۔ مغرب ہونے والی ہے چلو مسجد چلتے ہیں'' دادو نے اتنا ہی کہا تھا کہ اذان کی آواز پوری فضا میں گونجنے لگی۔ عفنان بال لے کر فرقان کے ساتھ دادو کی طرف آیا۔

''چلیے دادو جان نماز کے لیے چلتے ہیں۔'' فرقان دادو اور عفنان مسجد کی سمت جانے لگے اور راستے میں فرقان کا گھر پڑتا تھا، اس لیے عفنان نے اپنی بال فرقان کے گھر پر چھوڑ دی اور نماز کے لیے چلے گئے۔ یوں ہی دو چار دن خوشگوار گزر رہے تھے۔ ایک دن اسکول میں فرقان غیر حاضر تھا آج عفنان اکیلے اسکول آیا کیونکہ اسے اسکول آنے میں دیر ہوگئی تھی اور اسے لگا کہ فرقان اسکول آچکا ہوگا پر وہ تو آیا ہی نہیں تھا۔ وہ نہایت پریشان ہوا کہ فرقان کو کیا ہوا جو وہ اسکول نہیں آیا... اس نے ارادہ کیا کہ اسکول ختم ہوتے ہی فرقان سے ملنے اس کے گھر جائے گا... اور اسکول ختم ہونے کے بعد جب وہ اسکول کے گیٹ سے باہر آرہا تھا تب محسن اس کو پکارتا ہوا اس کے قریب آکر رکا ''کہاں جارہے ہو عفنان؟''

عفنان نے سیدھے سادے لہجے میں کہا ''فرقان سے ملنے، وہ آج اسکول نہیں آیا شاید وہ بیمار ہو''

''نہیں وہ بیمار نہیں ہے وہ ٹھیک ہے۔ میں اس کے گھر گیا تھا... وہ تو تم سے ناراض ہے۔'' محسن کی بات سن کر وہ حیران سا اس کا منہ تکنے لگا اور پھر جلدی سے بولا ''پر وہ مجھ سے ناراض کیوں ہے میں نے کیا کردیا؟'' محسن کو لگا اب صحیح وقت ہے عفنان کو بھڑکانے کا۔ اس نے جھوٹ بولنا شروع کیا۔

''عفنان۔ فرقان تمھارے بارے میں کہہ رہا تھا کہ تم بے انتہا مطلبی لڑکے ہو اس نے کہا کہ تم آج اس کے بنا اسکول آگئے وہ گھر پر تمھاری راہ دیکھ رہا تھا... پر تم اسے لینے اس کے گھر نہیں گئے اور وہ تم سے ناراض ہوگیا۔ نہ جانے کیا کیا کہا اس نے تمھارے بارے میں۔ تمھیں گھمنڈی، مغرور کہا اس نے۔'' عفنان کو بے حد برا لگا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھر گئے۔ پھر اسے بہت غصہ آیا اور غصے میں اس نے کہا ''میں اب فرقان سے بات نہیں کروں گا... وہ اب میرا دوست نہیں ہے۔'' عفنان غصے سے لال بھبھوکا ہوگیا اور تیز قدموں سے گھر کی طرف چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی محسن تو یا ہو کہہ کر اچھل پڑا اور فرقان جو بے قصور تھا وہ عفنان کی نظروں میں برا ثابت ہوگیا۔ محسن نے فرقان کو بھی اسکول آتے وقت بھڑکانے کی کوشش کی پر اس کی کوشش ناکام رہی۔ فرقان نے محسن کی جھوٹی باتوں کا اعتبار نہیں کیا اور کہا کہ عفنان اس کا سب سے اچھا دوست ہے اور وہ کبھی بھی اس کے بارے میں ایسا نہیں کہے گا۔ اسے عفنان پر اعتبار تھا۔ محسن وہاں سے ناکام ہوکر اسکول آیا اور عفنان پر اپنا منصوبہ آزمایا اور کامیاب ہوگیا۔ عفنان گھر آکر سیدھے کمرے میں گیا اور بیڈ پر لیٹتے ہی نیند کی آغوش میں چلا گیا اور جب جاگا تو دیکھا کہ امی جان اس کا سامان سلیقے سے رکھتے ہوئے اسے آواز لگا رہی تھی۔ جب انھوں نے عفنان کو جاگا ہوا پایا تو مسکرائی اور محبت سے اس

کے سر پھر ہاتھ پھیرا۔

''عفنان بیٹا کیا ہوا، کیوں چہرہ مایوس ہے؟'' وہ امی جان کے پوچھنے پر چپ رہا اور کچھ دیر بعد فرقان کے بارے میں ساری بات امی جان کے سامنے بیان کردی۔ وہ سب سن کر امی جان نے اسے بہت سمجھایا کہ وہ جا کر ایک دفعہ فرقان سے بات کر کے دیکھے مگر وہ نہیں مانا اور شام کے وقت دادو جان نے بھی بے حد سمجھایا کہ وہ فرقان سے اس بارے میں بات کرے مگر عفنان ضد پر اڑا رہا اور اگلے دن اسکول میں جب اس کا سامنا فرقان سے ہوا۔ وہ منہ پھیر کر اس سے دور دوسری جگہ پر بیٹھا۔ فرقان پریشان تھا کہ عفنان ایسا کیوں کر رہا ہے۔ اس سے بات نہیں کر رہا تھا۔ اس کی طرف دیکھ بھی نہیں رہا تھا۔ فرقان کو اس سے بات کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ ایک کے بعد ایک استاد آتے گئے اور اپنا اپنا مضمون پڑھا کر جاتے رہے۔ لنچ بریک پر بھی عفنان نے اس سے بات نہیں کی۔ ٹفن اکیلے بیٹھ کر کھایا۔ اسکول ختم ہوا اور جب عفنان گیٹ سے باہر آیا تب اسے پیچھے سے فرقان نے آواز لگائی۔

''عفنان رکو عفنان۔'' وہ اسے پکارتا ہوا اس کے پاس دوڑتا ہوا آیا اور اسے دیکھ کر عفنان نے پھر رخ پھیر لیا اور قدم آگے بڑھا دیئے... فرقان تیز قدموں سے چل کر آیا اور اس کے پاس آ کر رکا۔ تو یہ دیکھ کر عفنان بھڑک اٹھا اور غصے میں کہا ''ہٹ جاؤ فرقان مجھے تم سے بات نہیں کرنی۔''

فرقان بے چین سا ہو کر بولا ''پر کیوں... میں صبح سے تم سے بات کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ پر تمھیں ہوا کیا ہے؟''

عفنان جھنجھلا کر بولا ''کیوں جھوٹ بول کر انجان بن رہے ہو، مجھے سب پتہ چل گیا ہے۔ محسن نے مجھے سب بتا دیا ہے کہ تم مجھ سے نفرت کرتے ہو۔ میرے بارے میں کتنا برا سوچتے ہو۔ مجھے گھمنڈی کہا تم نے... مغرور کہا... میں تمھیں کتنا نیک سمجھتا تھا، پر تم ویسے نہیں ہو'' وہ اتنا کہہ کر رکا نہیں اس کی بات بنا سنے وہاں سے گھر کی طرف چلا گیا۔ فرقان برف سا جم گیا۔ اسے یقین نہیں ہو رہا تھا کہ اس کا سب سے اچھا دوست یہ سب کہہ سکتا ہے۔ فرقان کو سب سمجھ میں آ گیا کہ محسن نے ہی یہ کام کیا ہے اس نے دونوں میں پھوٹ ڈال دی مگر فرقان کو محسن کے کیے دھرے سے مزید عفنان کے تلخی بھرے رویہ پر دکھ ہو رہا تھا۔ وہ آنکھوں میں آنسوؤں کو لیے گھر چلا گیا۔ شام کے وقت دادو جان عفنان کا مزاج درست کرنے اسے پارک لے کر آئے۔ آج پارک میں بچوں کی تعداد بہت کم تھی اور آج فرقان بھی پارک میں موجود نہیں تھا۔ دادو جان اسے منا منا کر اپنے ساتھ لے کر آئے تھے اور اسے چپ چاپ اور گم صم دیکھ کر دادو جان بولے... ''بیٹا جا کر کھیلو...'' عفنان نے نہیں میں سر ہلایا اور دادو کے برابر بینچ پر بیٹھ گیا۔

''کیوں کھیلنے کا دل نہیں کر رہا تمھارا...؟'' عفنان نے دادو کی سمت دیکھا اور کہا: ''دادو فرقان نے ایسا کیوں کہا میرے بارے میں؟'' اس نے دادو جان کے سوال کا جواب دینے کے بجائے دوسرا سوال پوچھ لیا۔ تو دادو نرمی سے بولے ''جب تک تم فرقان سے بات نہیں کرو گے... تمھیں پتہ کیسے چلے گا اور مجھے لگتا ہے کہ تمھیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ فرقان کو جہاں تک میں جانتا ہوں ۔ وہ ایسا بچہ بالکل نہیں ہے...'' دادو جان اسے سمجھا ہی رہے تھے تب محسن عفنان کو تلاش کرتا ہوا پارک میں آیا اور جیسے ہی عفنان اسے دادو جان کے ساتھ نظر آیا۔ وہ چین کی سانس لے کر عفنان کے پاس دوڑ کر آیا۔ اسے وہاں ایسے اچانک دیکھ کر عفنان اور دادو جان دونوں حیران رہ گئے اور محسن نے عفنان اور دادو جان سے کہا ''عفنان... دادو جان... آج میں آپ دونوں کے سامنے اپنی غلطی کا اعتراف کرنے آیا ہوں۔''

اس کی باتیں سن کر وہ دونوں لاعلمی کی کیفیت سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ محسن نے پھر سے اپنی بات شروع کی۔

''عفنان، میں نے تم سے فرقان کے متعلق جو بھی کہا تھا وہ سب جھوٹ تھا فرقان نے تمھارے بارے میں کوئی بری بات نہیں کی۔''

یہ سنتے ہی عفنان کے اوسان خطا ہو گئے اور وہ فوراً بولا:

''یہ کیا بول رہے ہو تم... مطلب ... وہ سب جھوٹ تھا...؟'' وہ روہانسا ہو گیا۔ اب ضبط کے باوجود آنسو، عفنان کی آنکھوں میں نمودار ہونے لگے... دادو جان نے محسن سے پوری بات بتانے کو کہا تو محسن نے ساری حقیقت بیان کر دی... تب عفنان کو علم ہوا کہ فرقان کو بھی بہکانے کی پوری کوشش کی تھی محسن نے مگر اس نے محسن کی بات پر نہیں عفنان پر اعتبار کیا اور عفنان نے آسانی سے محسن پر اعتبار کر کے فرقان کا اعتبار توڑ دیا... وہ روتے ہوئے بولا:

''دادو جان مجھ سے یہ کیا ہو گیا۔ اب میں فرقان سے معافی کیسے مانگوں؟''

دادو نے عفنان کو سمجھایا پھر محسن سے کہا ''محسن آخر تم نے ایسا کیوں کیا اور اب اپنی غلطی بھی مان رہے ہو... کیا وجہ ہے؟'' محسن نے گہری سانس لی اور کہا ''دادو میں عفنان اور فرقان سے جلنے، حسد کرنے لگا تھا اور اسی لیے ان دونوں کی دوستی توڑنے کے لیے میں نے یہ سب کیا۔ پر آج جب میں ٹیلی فون پر اپنے ٹیوشن والے لڑکے سے بات کر رہا تھا تب میں نے اسے عفنان اور فرقان کے بارے میں بتایا۔ ہم دونوں ہنس رہے تھے لیکن میں بے خبر تھا کہ میری امی میرے پیچھے کھڑی میری ساری باتیں سن چکی تھیں۔ انھوں نے مجھے بہت ڈانٹا بہت سنایا۔ مجھ سے خفا ہو گئی تھیں وہ... تب مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ امی نے مجھ سے کہا کہ جب تک میں تم لوگوں کے سامنے اپنی غلطی نہیں مانوں گا۔ سچ نہیں بتاؤں گا... وہ مجھ سے بات نہیں کریں گی۔'' محسن رونے لگا آج سچ میں وہ شرمندہ تھا اور رو کر کہہ رہا تھا۔

''مجھے معاف کر دو عفنان غلطی ہو گئی... میں نے سچ میں بہت توبہ کی... میں نے اپنی امی کا اعتبار توڑا... تم دونوں میں لڑائی کرا کر میں نے ابلیس کا کام آسان کر دیا۔ کتنا بڑا گناہ کیا میں نے...'' عفنان کو محسن پر شدید غصہ آیا وہ بھڑک کر بولا ''میں ہرگز تمھیں معاف نہیں کروں گا۔ محسن تم نے ایسا کیوں کیا؟''

عفنان کی بات سن کر دادو جان بولے ''بیٹا وہ شرمندہ ہے اسے معاف کر دو۔ سوچو اگر فرقان بھی تمھیں معاف نہ کرے تو...؟''

دادو جان کی بات اس کے دل میں اتر گئی اور اس نے محسن کو معاف کر دیا اور دادو جان ان دونوں کو اسی وقت فرقان کے گھر لے گئے۔ محسن نے فرقان کے سامنے بھی اپنی غلطی قبول کی اور معافی مانگی۔ فرقان نے نہ صرف محسن کو بلکہ عفنان کو بھی معاف کر دیا۔ عفنان کو بے حد شرمندگی ہوئی کہ اس نے اتنے انمول دوست کا اعتبار توڑا تھا۔ فرقان نے عفنان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا ''بھول جاؤ عفنان... جو بھی ہوا سب بھول جاؤ...'' ''ہم اب بھی پہلے جیسے دوست ہیں'' عفنان نے آج فرقان سے سیکھا کہ صرف دوستی میں ہی نہیں ہر رشتے میں اعتبار کا ہونا از حد ضروری ہے...''

■

Neelofar Sadia
Block No: 2/11, Classic General Store
Labour Colony, Nanded
Waghala - 431602 (Maharashtra)

کہانی

توصیف بریلوی

سیڈ بال (Seed Ball)

''**بیٹا** رومی دن بھر موبائل پر گیم کھیلنے اور کارٹون دیکھنے سے آپ کی آنکھیں خراب ہو جائیں گی۔ اب آپ اپنے بھائی کے ساتھ کچھ دیر باغ میں کھیلنے جایئے۔''

''امّی باغ میں کوئی درخت تو ہے نہیں، وہاں تو بس میدان ہے اور کچھ گھاس کی جھاڑیاں۔'' رومی نے کہا۔

رومی کی بات سن کر اس کی ماں فکر مند ہو گئیں لیکن انھوں نے سمجھایا۔ ''بیٹا وہاں پہلے باغ تھا اس لیے اسے باغ کہتے ہیں۔ آپ جب موبائل فون چھوڑ کر میدان میں کھیلو گے تو نہ صرف اس کے Radiation سے محفوظ رہو گے بلکہ کچھ دوڑ بھاگ کر کھیلنے سے جسم میں چستی پھرتی بھی آئے گی۔''

''جی امّی ......!'' کہتے ہوئے رومی باہر نکل گیا۔

میدان میں کرکٹ کھیلتے وقت گیند جھاڑی میں کہیں گُم ہو گئی۔ جسے ڈھونڈتے وقت رومی کے پیر سے کچھ دب گیا۔ تبھی ایک آواز آئی...... ''رومی اپنا پیر ہٹاؤ میں ٹوٹ کر بکھر جاؤں گا۔'' آواز سنتے ہی رومی نے پیر ہٹا کر دیکھا تو مٹی کی ایک چھوٹی سی گیند جیسا کچھ تھا جو اس کے پیر کے نیچے دب کر چٹک گیا تھا۔

''تم کون ہو اور کیوں رو رہے ہو۔؟'' رومی نے پوچھا۔

''میں سیڈ بال (Seed Ball) ہوں۔ کیا مجھے نہیں جانتے ہو؟ سیڈ بال نے پوچھا۔

''نہیں تو......'' رومی نے کہا اور تب تک اس کے ساتھ کھیلنے والے اور بچے بھی آ کر سیڈ بال کی بات سننے لگے۔

''میں سیڈ بال ہوں۔ میرا کام ہے نئے درخت اگانا۔ مجھے بنانا بے حد آسان ہے۔ آپ بچے بھی یہ کام آسانی سے کر سکتے ہو جس سے درختوں کی کمی کو کچھ حد تک ضرور پورا کیا جا سکتا ہے۔''

''وہ کیسے.....'' بچوں نے حیرت سے پوچھا۔

''بتاتا ہوں.....آپ لوگ غور سے سنیں۔سب سے پہلے کہیں سے ایسی مٹی لیں جسے گوندھ کر یا گیلا کرنے پر اس کی گولی یا گیند آسانی سے بنائی جا سکے۔گولی یا گیند کے اندر کسی بھی درخت کا بیج رکھ سکتے ہیں مثلاً لیموں، موسمی، لیچی، نیم، آملہ، املی، اشوک، ارجن، یوکے لپٹس، لہسورا، بیر، آڑو، امرود، جامن، بلاغنڈ (بیل)، کیتھ، گولر، سیمل، کیکر، املتاش، بکین، انار، ساگوان، شیشم، جنگل جلیبی، پاپلر، مور پنکھی، کٹہل، بڑہل (لوئی)، پیپل، برگد، پاکڑ، کنیر، گل مہر، مہوّا، کھجور، پپیتا، سیب، چیکو وغیرہ۔آم کی گٹھلی (بیج) چونکہ بڑی ہوتی ہے اس لیے اسے بغیر مٹی کے سایے میں سکھا کر رکھ لیں۔علاقوں اور موسم کے مطابق بھی Seed Balls بنائے جا سکتے ہیں لیکن آپ سب تو بچے ہیں اس لیے اپنے والدین اور اساتذہ سے اپنے علاقوں میں آسانی سے اگ آنے والے درختوں اور پودوں کے بارے میں معلومات حاصل کر کے ان درختوں کے بیجوں کو مٹی کی گیند کے اندر رکھیں۔لو تیار ہو گئی آپ کی سیڈ بال۔ہاں ایک بات کا خیال رہے کہ سیڈ بال کو بنانے کے بعد دھوپ میں ہرگز نہ رکھیں بلکہ سائے میں خشک کریں۔اس کے بعد یہ Seed Balls اس باغ کے علاوہ سڑک کے کنارے بھی پھینک سکتے ہیں۔خاص طور پر بارش کے وقت میں پھینکیں۔اس وقت Seed Balls کے اندر آسانی سے نمی پہنچ جاتی ہے اور بیج برباد ہونے سے بھی بچ جاتے ہیں۔ایک Ball کے اندر دو تین بیج بھی رکھ سکتے ہیں۔یہ کام آپ سب بڑی آسانی سے چھٹی کے دن کر سکتے ہیں اور اگر کہیں گھومنے جانا ہو تو پھر کار، ٹرین یا بس کی کھڑکی سے بھی سڑک کے کنارے یا ریل کی پٹریوں کے کنارے Seed Balls کو پھینک سکتے ہیں۔

یوں تو سیڈ بال بنانے کا طریقہ بہت آسان ہے جو میں نے بتا دیا لیکن پھر بھی نہ سمجھ آیا ہو تو یوٹیوب (YouTube) پر بھی اردو، ہندی، انگریزی کے علاوہ مختلف زبانوں میں سیڈ بال بنانے کے طریقے دکھائے گئے ہیں۔آپ سب وہاں سے بھی مدد لے سکتے ہیں۔

ہاں ایک بات کا خیال رہے ٹرین یا بس کی کھڑکی سے Seed Balls پھینکتے وقت دیکھ لیں کہ یہ کسی شخص کے لگے نہیں اور اپنے ہاتھ کو بھی کھڑکی سے باہر نہیں نکالیں۔

اِس وقت دنیا میں پیڑ پودوں کی کٹائی بڑے پیمانے پر کی جا چکی ہے اور مزید ہو رہی ہے اس لیے یہ ضروری ہو گیا ہے کہ ماحولیاتی نظام کو درست کرنے کے لیے شجر کاری (Plantation) کی جائے۔آج کی مصروف زندگی میں کسی کے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ شجر کاری کے لیے وقت نکالے۔ایسے میں Seed Balls کے ذریعے شجر کاری بے حد آسان ہے۔فضائی آلودگی خطرے کے نشان سے اوپر پہنچ چکی ہے۔دنیا کے سب سے زیادہ آلودہ شہروں کی فہرست میں ہمارے ملک ہندوستان کے بھی کچھ شہر مثلاً کانپور، دہلی اور کولکاتہ کا نام

شامل ہے۔

پیارے بچو! اگر درختوں کی کٹائی اسی طرح ہوتی رہی اور شجر کاری کی طرف توجہ نہیں دی گئی تو وہ دن دور نہیں جب ہر انسان کو اپنی پیٹھ پر آکسیجن سلنڈر لاد کر ہی گھر سے باہر نکلنا ہوگا۔ ذرا سوچیے اُس وقت آپ کیسے کرکٹ، ہاکی یا فٹ بال کھیلیں گے؟ اور کس طرح اسکول اور دوسری جگہوں پر جایا کریں گے؟

کیا آپ پیٹھ پر آکسیجن سلنڈر لاد کر چلنا پسند کریں گے؟''

''نہیں......'' بچوں نے ایک ساتھ جواب دیا۔

''بہت اچھا بچو۔ امید ہے آپ سب اپنے چھٹی کے دنوں میں Seed Balls بنائیں گے اور انھیں مناسب جگہوں پر پھینکیں گے۔

ارے ہاں میں تو بتانا ہی بھول گیا کہ Seed Balls کو اگر آپ بنا نہ سکیں تو بازار سے بنے بنائے بھی لا سکتے ہیں اور اب تو آن لائن گھر بیٹھے بھی منگا سکتے ہیں۔

آپ کے ایسا کرنے سے زمین کو بے حد سکون ملے گا۔ فضائی آلودگی کم ہوگی اور چاروں طرف سبزہ یعنی ہریالی بڑھے گی جسے دیکھ کر آپ سب کو تازگی کا احساس تو ہوگا ہی ساتھ ہی ان درختوں کے سایے میں مستقبل میں آپ ہی کی طرح بچے کھیلیں گے۔ ان پر لگنے والے پھلوں کو کھائیں گے، پھولوں پر بیٹھنے والی رنگ برنگی تتلیوں سے محظوظ ہوں گے۔ مختلف چڑیوں کے گھونسلے بھی انھیں درختوں پر بنیں گے۔ آپ کو معلوم ہے شجر کاری کے اس طریقے سے بہت سے جانداروں کو زندگی ملے گی۔ پرندوں کے علاوہ گلہریاں اور دوسرے چھوٹے موٹے جانور بھی ان درختوں پر ہی اپنی زندگی گزارتے ہیں۔ وہ پہاڑیاں جن پر پیڑ ختم ہو گئے ہیں اور وہ صرف پتھر کا ٹیلہ بن کر رہ گئی ہیں وہ ہری بھری ہو جائیں گی۔ وہ پارک جہاں پلاسٹک کے پیڑ لگائے گئے ہیں وہاں اصلی پیڑ اگ آئیں گے۔ ان پیڑ پودوں اور درختوں کی حفاظت بھی کریں۔ یہ آپ کے سچے دوست ہیں جن کی مدد سے آلودگی کے مسئلے کو کافی حد تک حل کیا جا سکتا ہے۔''

رومی نے اپنے بھائی اور ساتھیوں کی طرف دیکھا پھر سب نے ایک آواز ہو کر کہا...... ''ہم سب چھٹیوں میں Seed Balls بنا کر مناسب جگہوں پر پھینکیں گے۔''

■

Taouseef Khan
Research Scholar, Dept of Urdu
Aligarh Muslim University
Aligarh - 202002 (UP)
Mob.: 07302702087

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' میں کہانیاں، نظمیں وغیرہ شائع کی جاتی ہیں۔ ان کی اشاعت کا مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ آپ یہ بتائیں کہ ان کہانیوں اور نظموں سے آپ کو کیا سبق ملا اور ان میں کون سے نئے الفاظ آپ کو معلوم ہوئے اور کون سے الفاظ ایسے ہیں جو آپ کو مشکل لگے اور یہ بھی بتائیں کہ کہانیوں اور نظموں کے موضوع اور زبان و بیان نے آپ کو کس حد تک متاثر کیا! آپ اپنی رائے ہمیں ای میل یا کونسل کے پتے پر ارسال کریں۔ (ادارہ)

میڈم مسونا نووا، ترجمہ: زین الدین حیدر

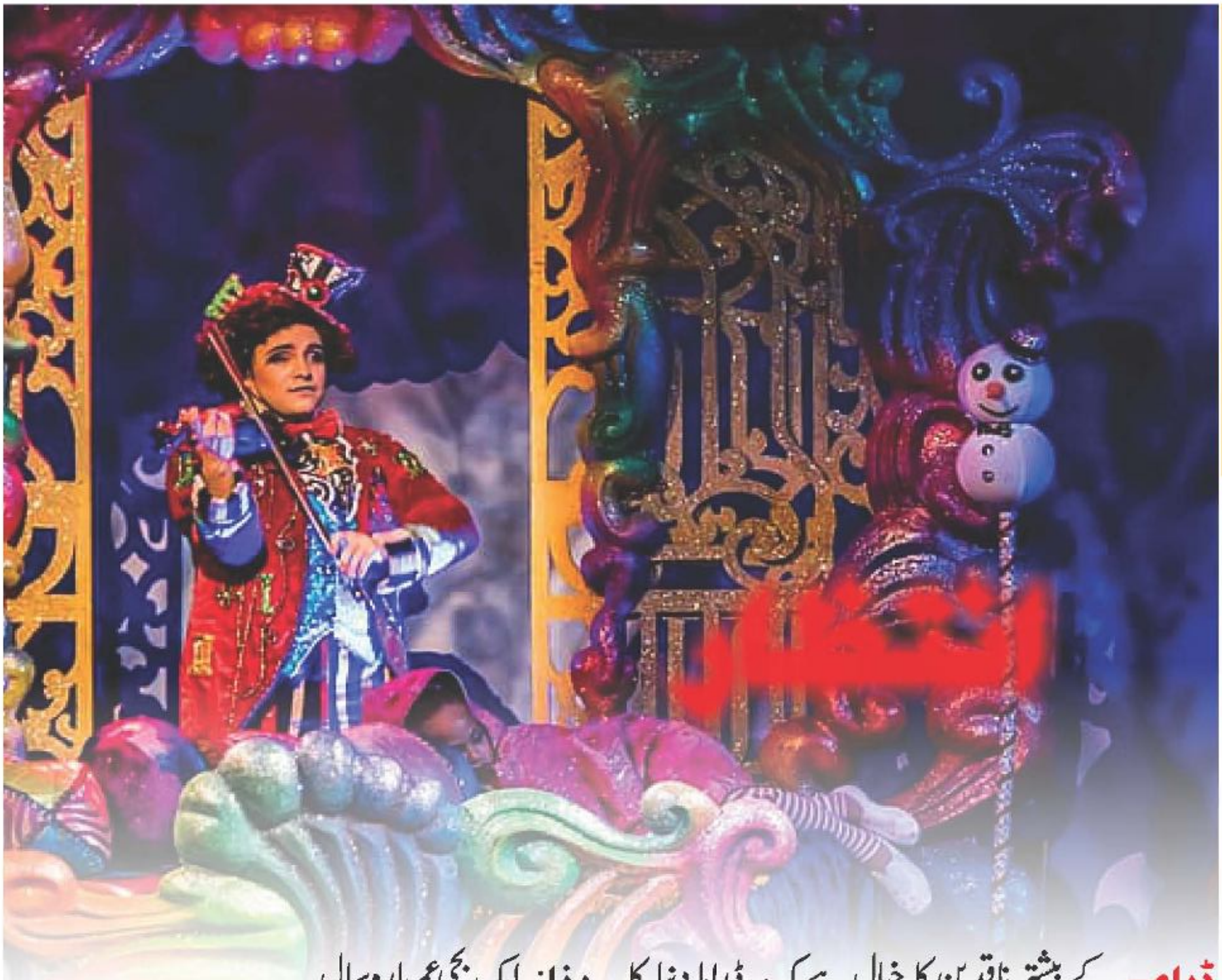

انتظار

ڈرامے کے بیشتر ناقدین کا خیال ہے کہ یہ ڈراما دنیا کا پہلا مختصر ترین یک بابی ڈراما ہے جو ڈرامے کے سارے اجزائے ترکیبی اور ڈرامے کے پورے لوازمات کے ساتھ ایک مکمل ناٹک ہے۔

ڈراما کا نام: Zutak انتظار

ڈراما کی زبان Polish پولینڈ کی زبان جس میں روسی زبان کے الفاظ بھی مستعمل ہیں۔

ڈراما نگار Madam Masoona Nova میڈم مسونا نووا

انگریزی ترجمہ: میڈم ڈاکٹر خالدہ علی، پروفیسر الازہر یونیورسٹی، قاہرہ

افراد ڈراما:

نونا: ایک ماں

رزا: ایک بچی عمر بارہ سال

فاغیل: ایک معصوم لڑکا اپنی بہن رزا سے چھوٹا

اجنبی: ایک مرد (پولینڈ میں ایک چھوٹا سا قصبہ جو ویران و برباد ہو چکا ہے۔ پولینڈ نے جرمنی کے ڈکٹیٹر اڈالف ہٹلر کے سامنے ہتھیار ڈال دیے ہیں۔ ایک ٹوٹے پھوٹے چھوٹے سے مکان میں بارہ سال کی ایک کمسن لڑکی اور اس کا چھوٹی بھائی اپنے باپ کے واپس آنے کا انتظار کر رہے ہیں۔ جو باہر ان بھوکے بچوں کے لیے کھانا لینے گیا ہوا ہے۔ ان دونوں چھوٹے بچوں نے اپنے والدین کے ساتھ دو دن سے ایک دانہ بھی نہیں کھایا ہے اور بھوک سے تڑپ رہے ہیں۔)

ناٹک شروع ہوتا ہے:

رزا: ممی! ڈیڈی کب تک واپس آئیں گے۔ کوئی بات تو نہیں ہوگئی۔ وہ ٹھیک ٹھاک تو واپس آئیں گے۔ باہر بہت گڑبڑ ہے۔ بڑا خطرہ ہے۔ ڈیڈی کو کچھ ہوگا تو نہیں۔ وہ.....

فاغیل: ممی مجھے بہت بھوک لگی ہے۔ ڈیڈی کچھ کھانے کو لائیں گے۔ مجھے بہت بھوک لگی ہے۔ میری جان نکل رہی ہے۔

نونا: نہیں میرے لال، میری جان، میرا بچہ، میرا سونا۔ میرا پوت— تھوڑا انتظار کرو۔ پاپا آتے ہی ہوں گے ابھی آجائیں گے— دیکھو.....

رزا: ممی! پھر! پھر..... کیا..... میری اچھی ممی— ڈیڈی ہم لوگوں کے لیے کیا لائیں گے— ؟ ہم لوگوں نے دو دن سے کچھ نہیں کھایا— ممی— میری پیاری ممی۔

فاغیل: (آنکھوں میں امید کی کرن لیے ہوئے) ممی۔ ڈیڈی کلیجی لائیں گے..... کھیری گردا لائیں گے۔ آلو کے سموسے لائیں گے..... ممی بولو..... ہاں کہو..... اوں..... کیا نہیں لائیں گے؟

رزا: ممی اب مجھ سے بھوک برداشت نہیں ہورہی ہے۔ میں کھڑی نہیں ہو پارہی ہوں۔ ممی بہت بھوک لگی ہے۔ بہت بھوک— بھوک—

فاغیل: (ایک گڑیا ہاتھوں میں لیے ہوئے) پاپا کلیجی لائیں گے آلو کے سموسے لائیں گے..... ہاں.....

(کوئی دروازے پر دستک دیتا ہے)

نونا: (دروازہ کھولتے ہوئے) جناب! آپ کی تعریف؟

رزا: ڈیڈی!— ڈیڈی!

فاغیل: (خوشی سے ناچتے ہوئے) ڈیڈی آگئے— ڈیڈی آگئے— ڈیڈی کیا آپ میرے لیے زبان لائے ہیں اور باجی کے لیے— کلیجی— اور ممی کے لیے آلو کے سموسے..... لائے ہیں نا!.....

(ایک اجنبی کمرے میں داخل ہوتا ہے)

اجنبی: میڈم! میں آپ کے شوہر کے ساتھ سفر کررہا تھا..... انھوں نے مجھے آپ کے گھر کا پتہ دیا تھا..... جب انھیں گولی لگی..... اور ان کا انتقال ہوگیا..... مگر مرنے سے ذرا پہلے انھوں نے مجھ سے درخواست کی تھی— کہ میں آپ کے پاس جاکر سارے حالات بتادوں—

نونا: گولی لگ گئی!..... گولی سے مرگئے—!.....

اجنبی: جی ہاں میڈم..... وہ ایک بیکر کی دوکان پر گئے اور کچھ روٹیوں کے ٹکڑے چرانے کی کوشش کی..... اپنے بھوک سے مرتے ہوئے بچوں کے لیے— جرمن سپاہیوں نے انھیں پکڑلیا— اور فوراً گولی مار دی..... اور وہ گرگئے..... اور مرگئے—!

نونا: وہ گرگئے..... وہ مرگئے— میرے سرتاج— گزر گئے۔

رزا: (سسکیاں لیتی ہوئی) ڈیڈی مرگئے— ڈیڈی مرگئے—!

فاغیل: (اس ٹریجڈی سے بالکل ناواقف اور نامتاثر — ڈیڈی—! ڈیڈی۔ زبان نہیں لائے— کلیجی نہیں لائے۔ بہت سے بھنے آلو نہیں لائے—!!

■

Dr. Zainuddin Haider
98/206, Beconganj
Kanpur - (UP)
Mob.: 9305628985

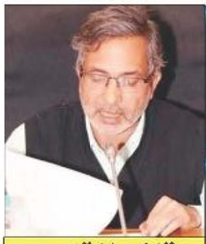

حقانی القاسمی

بچوں کے لیے ہایانون کی دو کتابیں

پیارے بچو! سائنس سے ہماری زندگی کا بہت گہرا رشتہ ہے۔ سائنس کے ذریعے ہی حیات و کائنات کے سربستہ راز کھلتے ہیں۔ زمین و آسمان، فضا، فلک، موسم، ماحول کے بارے میں ہمیں سائنس کے ذریعے ہی معلومات ملتی ہیں۔ انسانی شعور اور تہذیب کے ارتقا کا بھی سائنس سے بہت گہرا رشتہ ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ سائنسی معلومات پر مبنی کتابیں دنیا کی ہر زبان میں شائع ہوتی ہیں۔ اردو بھی سائنسی ادب سے محروم نہیں ہے۔ اس زبان میں بھی بہت سی کتابیں اور رسالے شائع ہوتے رہے ہیں۔ سائنس کی افادیت کے پیش نظر ہی مولوی عبدالحق نے انجمن ترقی اردو (ہند) کی جانب سے سہ ماہی رسالہ 'سائنس' کی اشاعت کا آغاز کیا تھا جس کے سرورق پر یہ قیمتی عبارت درج تھی کہ ''سب سے خوش نصیب شخص وہ ہے جو نئے حقائق کا انکشاف کرتا ہے اور دوسرے درجے پر وہ ہے جو پرانے تعصّبات ترک کرتا ہے۔'' اس کے علاوہ اور بھی بہت سارے رسالے برصغیر ہند و پاک سے شائع ہوتے رہے ہیں۔

ڈاکٹر اسلم پرویز کی ادارت میں ماہنامہ 'سائنس' شائع ہوتا ہے جس میں بیش قیمت سائنسی مضامین ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ 'سائنس کی دنیا' بھی ایک اہم رسالہ ہے۔ قومی اردو کونسل نے بھی بچوں میں سائنسی شعور پیدا کرنے کے لیے بہت سی کتابیں شائع کی ہیں۔ بچوں کی ذہنی سطح کا خیال رکھتے ہوئے افسانوی یا مکالماتی انداز میں بھی کتابیں تحریر کی گئی ہیں۔

ہایانون جو کہ راکیو یونیورسٹی کے فزکس ڈپارٹمنٹ کے ڈگری یافتہ ہیں۔ انھوں نے بھی بچوں کے لیے دلچسپ انداز میں کئی کتابیں لکھی ہیں جن کے ترجمے اردو میں ہوئے۔ قطبی علاقے کیا ہیں، قطبی روشنی کیا ہے، گلوبل وارمنگ کیا ہے، شمسی آندھی کیا ہے — ان کی اہم کتابیں ہیں جن کے ترجمے انیس الحسن صدیقی نے کیے ہیں جو خود بھی سائنسی موضوعات پر مضامین لکھتے رہے ہیں۔ قومی اردو کونسل سے ان کی کئی کتابیں شائع ہوئی ہیں جن میں خلا میں ہندوستانی پروگرام کی جھلکیاں، فلکیاتی بستہ، کہکشاں کیا ہے؟، گلیلیو کی کہانی ان کی زبانی قابل ذکر ہیں۔

اس وقت ہایانون کی صرف دو کتابوں کے حوالے سے گفتگو کرنی ہے جو قطبی علاقے اور قطبی روشنی سے متعلق ہیں۔ ان دونوں کتابوں کے ذریعے ہمیں قطب جنوبی، قطب شمالی اور قطبی روشنیوں کے بارے میں بہت سی اہم اور دل چسپ معلومات ملتی ہیں۔

قطب شمالی (North Pole) اور قطب جنوبی (South Pole) دونوں کی کئی قسمیں ہیں۔ قطب شمالی سمندر پر واقع ہے تو قطب جنوبی زمین پر ہے جو براعظم انٹارکٹیکا میں ہے۔

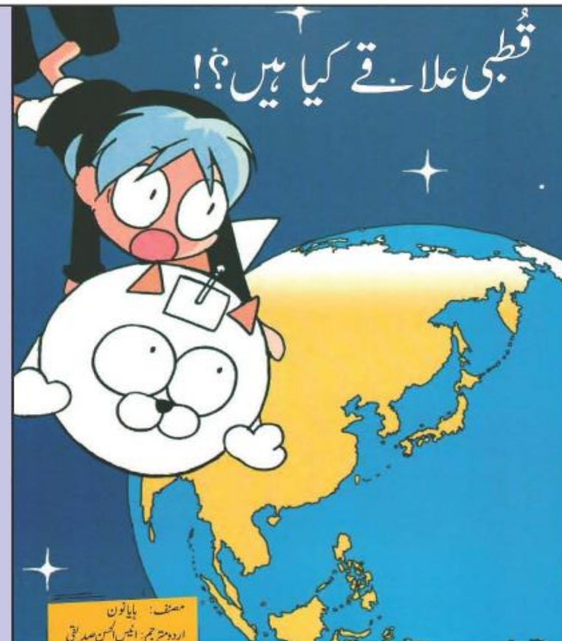

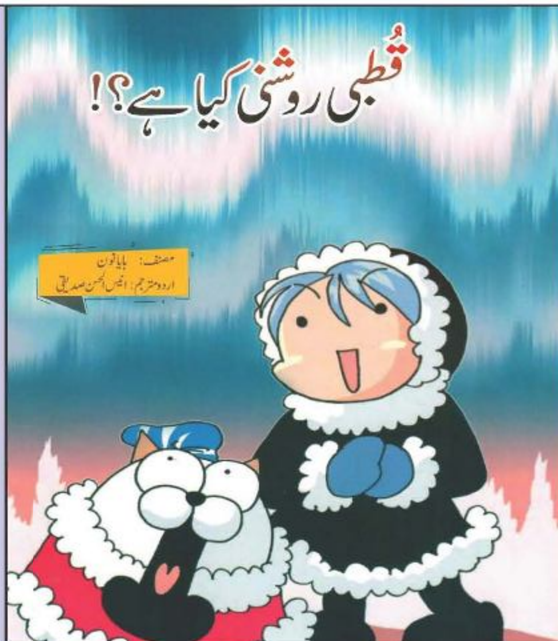

قطبی علاقے کیا ہیں؟ مصنف: بابا نون، مترجم: انیس الحسن صدیقی، ناشر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، قیمت: 20 روپے
قطبی روشنی کیا ہے؟ مصنف: بابا نون، مترجم: انیس الحسن صدیقی، ناشر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، قیمت: 20 روپے

قطبی علاقوں کی دریافت اور وہاں تک پہنچنا آسان کام نہیں تھا۔ ناروے کے Roald Amundsen پہلے مہم جو ہیں جنھوں نے قطب جنوبی کو دریافت کیا اور قطب شمالی کی طرف پرواز کیا اور وہاں ناروے کا جھنڈا بھی لہرایا۔ اسی لیے این وائی اِلی سونڈ میں امونڈسین کا ایک مجسمہ ہے کیونکہ یہی پہلا آدمی تھا جو قطب جنوبی اور قطب شمالی دونوں پر پہنچا تھا اور اس کے لیے اس نے بڑی صعوبتیں برداشت کی تھیں۔ اس کتاب میں یہ لکھا ہوا ہے کہ ''یہاں ہم قطب جنوبی پر ہیں۔ امونڈسین یہاں بہت ہی سختیوں سے پہنچا تھا'' اور یہ بھی معلومات دی ہوئی ہے کہ ہر قطبی علاقے میں تین قطب ہوتے ہیں اور ان قطبوں کی سیاحت انسان کو منجمد کر دیتی ہے۔ اس کے علاوہ اور بہت سی معلومات دونوں قطبوں کے حوالے سے دی گئی ہیں اور ان دونوں کے درمیان شاید اتنی دوریاں ہیں جس کی وجہ سے بعد القطبین جیسا لفظ ہمارے یہاں مشہور ہے۔ قطب شمالی، قطب جنوبی کے حوالے سے باتوں باتوں میں بچوں کو اہم معلومات مل جاتی ہیں کہ کس طرح مہم جو ان علاقوں تک پہنچے اور ان قطبوں سے متعلق تحقیق کی۔ اس کتاب میں یہ بھی درج ہے کہ ''سردیوں میں منطقہ قطب جنوبی میں درجہ حرارت نفی 70 ہوتا ہے اور منطقہ قطب شمالی میں درجہ حرارت منطقہ قطب جنوبی کی نسبت کچھ زیادہ ہے۔'' کتاب میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ''منطقۂ قطب شمالی وہ علاقہ ہے جو 66.5 درجہ قطب شمالی کے شمال میں ہے جب کہ منطقۂ قطب جنوبی وہ علاقہ ہے جو 66.5 درجہ قطب جنوبی کے جنوب میں ہے۔ قطب شمالی، شمالی یورپ، گرین لینڈ، کنیڈا اور روس کے سمندروں سے گھرا ہوا ہے۔ جاپان سے ایک دن کی اڑان ہے۔ دوسری طرف منطقۂ قطب شمالی یعنی 'برف کا براعظم' بحر اوقیانوس، بحر الکاہل اور بحر ہند سے گھرا ہوا ہے۔ جاپان سے سائی یوا اسٹیشن تک پہنچنے کے لیے برف توڑ جہاز کے ذریعے ایک ماہ سے زیادہ لگتا ہے۔''

دوسری کتاب 'قطبی روشنی کیا ہے؟' میں ایک پراسرار قدرتی

روشنی کے بارے میں بتایا گیا ہے جس کا نظارہ انتہائی حیرت انگیز ہوتا ہے۔ جب CME(Coronal Mass Ejection) سے مقناطیسی علاقے (Magnetic Field) میں شمسی آندھی آتی ہے اور اس کے ذرات مقناطیسی میدان میں پکڑے جاتے ہیں تو اس سے قطبی روشنیاں پیدا ہوتی ہیں۔ جو دیکھنے میں تو خوبصورت ہوتی ہیں مگر اس سے ہمارے سٹیلائٹ اور الیکٹریکل پاور گریڈ کو بہت نقصان ہوتا ہے۔ یہ قطبی روشنیاں Aurora کہلاتی ہیں۔ ایک Aurora Australis اور دوسری Aurora Boroelis فن لینڈ، ارجنٹینا، نیوزی لینڈ، آسٹریلیا، انٹارکٹیکا اور چلی سے اس کا نظارہ کیا جاسکتا ہے۔ قطبی روشنی کو سب سے پہلے دریافت کرنے والا شخص گلیلیو گیلیلی Galileo Galilei ہے جو اٹلی کا ماہر فلکیات ہے۔ اسے جدید فزکس کا بابا آدم بھی کہا جاتا ہے۔ اسی نے کھلی آنکھ سے سورج کا اتنا مشاہدہ کیا کہ آخر کار نابینا ہوگیا۔ اس کتاب میں بتایا گیا ہے کہ قطبی روشنی کے بارے میں اکثر یہ محسوس ہوتا ہے جیسے ہوائی جہاز قطبی روشنی میں اڑ رہا ہے مگر حقیقت میں قطبی روشنی دس گنا زیادہ اونچی واقع ہوئی ہے۔ قطبی روشنیوں کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے خلا آسمان میں تصویر بنا رہا ہو۔

ان دونوں کتابوں میں قطبی علاقے اور قطبی روشنیوں کے حوالے سے بہت اہم معلومات ہیں۔ ایسی ہی کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ بعض علاقے ایسے ہیں جہاں کبھی رات نہیں ہوتی اور کہیں آدھی رات میں بھی سورج طلوع ہوتا ہے، کہیں چھ ماہ کی راتیں ہوتی ہیں اور چھ ماہ کے دن یہ حیرت انگیز باتیں ہیں جو ہمیں سائنس کے ذریعے ہی معلوم ہو پاتی ہیں۔ ■

Haqqani Al- Qasmi
Mob.:9891726444
Email.:haqqanialqasmi@gmail.com

زبان شناسی

کسی بھی زبان میں مہارت حاصل کرنے کے لیے لفظوں کے ذخیروں کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ حسبِ ضرورت ان لفظوں کا مناسب استعمال کیا جاسکے۔ اگر آپ کے پاس الفاظ کی کثرت ہے اور اس کے صحیح استعمال سے آپ واقف ہیں تو آپ کی تحریر میں قوت بھی پیدا ہوگی اور تاثیر بھی۔ اسی لیے 'زبان شناسی' کے تحت واحد جمع، تذکیر و تانیث، متضاد الفاظ، محاورے کہاوتیں وغیرہ دیے جاتے رہیں گے تاکہ ہمارے ننھے منے قارئین ان لفظوں کو یاد کریں اور انہیں استعمال میں بھی لائیں۔

محاورے

آب آب ہونا: پانی پانی ہونا۔
آب و دانہ اٹھنا: سفر اختیار کرنا، ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا۔
آڑے ہاتھوں لینا: کسی کو ڈانٹنا، برا بھلا کہنا۔
آپے سے باہر ہونا: بہت زیادہ غصے میں ہونا۔
اپنا الو سیدھا کرنا: مطلبی ہونا، صرف اپنے فائدے کے بارے میں سوچنا۔
اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی مارنا: ایسا کام کرنا جس سے خود نقصان اٹھانا پڑے۔
اپنی ہی کہنا: خود ہی بولتے چلے جانا، دوسرے کی بات نہ سننا۔
اپنے منہ میاں مٹھو: اپنی تعریف کرنا۔
آفت کا پرکالہ: مصیبت برپا کرنے والا، خطرناک۔
آٹے میں نمک کے برابر ہونا: کسی چیز کا بہت کم مقدار میں پایا جانا۔
آسمان میں چھید ہونا: بہت زیادہ بارش ہونا۔
آسمان سر پر ٹوٹ پڑنا: کسی پر کوئی سخت مصیبت آجانا۔
آستین کا سانپ: ایسا شخص جو بظاہر دوست بنتا ہو، مگر دل میں کینہ رکھتا ہو۔
زمین آسمان کا فرق: بہت زیادہ فرق۔
اینٹ سے اینٹ بجادینا: کسی کو بہت زیادہ نقصان پہنچانا، برباد کر دینا۔
بال کی کھال نکالنا: بے وجہ کسی چیز میں خامی نکالنا۔
بغلیں بجانا: بہت زیادہ خوش ہونا۔

ستیہ گپتا، مترجم: شمیم نکہت

صحت ہی زندگی ہے، یہ مہاتما گاندھی نے کہا تھا۔ کچھ اسی طرح کی بات اردو کے ایک شاعر نے بھی کہی ہے:

تنگ دستی اگر نہ ہو سالک تندرستی ہزار نعمت ہے

صحت اور تندرستی زندگی کے لیے بہت لازمی ہیں۔ ذہنی صحت کے لیے جسمانی صحت کی ضرورت پڑتی ہے اسی لیے اگر شروع سے ہی صحت اور تندرستی کے تعلق سے لاپرواہی کے بجائے بیداری کا رویہ اختیار کیا جائے تو انسان بہت ساری بیماریوں سے بچ سکتا ہے۔ ہمارے عہد میں بچوں کی صحت ایک بڑا مسئلہ ہے، اس پر سنجیدگی سے توجہ دیے جانے کی ضرورت ہے۔ کسی شاعر نے بڑی اچھی بات کہی ہے:

گلوں کی جو خواہش ہے تو کلیوں کی خبر لے

ایسا نہ ہو آجائے خزاں دَور سے پہلے

ڈاکٹر محمد عثمان خان ایم بی نے اپنی کتاب 'بچے کی صحت اور نگہداشت' میں بچے کی صحت کی اہمیت کے حوالے سے بڑی اہم بات لکھی ہے کہ "قومی حفظانِ صحت کی کوششوں میں سب سے بڑا قدم بچے کی صحت کا تحفظ اور اس کی بااصول نگہداشت اور صحیح غور و پرداخت ہے... بچہ ایک قومی سرمایہ ہے جس کا تحفظ و استحکام قومی تعمیر کے لیے نہایت ضروری ہے... درسیاتِ اطفال میں اصولِ صحت اور جسمانی تعلیم کی ضرورت مقدم ہے جس کے ساتھ بچوں کے لیے صحت بخش غذا، معتدل ورزش ومحنت، اچھی آب و ہوا، مناسب آرام و آسائش، پاک و صاف ملبوسات، صحت مند آدابِ معاشرت اور صحبت نیک وغیرہ ضروری لوازم کا التزام بھی ضروری ہے۔ دراصل بچے کی جسمانی اور دماغی صحت کا دار و مدار زیادہ تر اس کی صحیح نگہداشت و اصول تربیت پر ہے۔"

بچوں کی صحت کے تعلق سے 'بچوں کی دنیا' میں یہ کالم اس لیے شروع کیا گیا ہے تاکہ والدین کے ساتھ ساتھ بچے خود بھی اپنی صحت اور تندرستی کا خیال رکھ سکیں۔ (ادارہ)

بیماریوں سے تحفظ

کیا بڑے بچوں کو متعدی امراض سے محفوظ رکھا جاسکتا ہے؟

بچوں کو کئی بیماریوں سے بچانے کی ضرورت ہے۔ ماں کو ان سے اچھی طرح واقف ہونا چاہیے۔ ان کے متعلق ڈاکٹر سے تمام ضروری معلومات حاصل کرنا چاہیے۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ بچے کو چیچک، دق، ٹٹانس، کالی کھانسی، ڈپتھریا، پولیو، اور خسرہ سے بچنے کا ٹیکہ پہلے ہی سال لگوالینا چاہیے۔ بعد میں ان بیماریوں سے ہمیشہ کے لیے محفوظ ہونے کے لیے وقتاً فوقتاً ان ٹیکوں کا اعادہ کراتے رہیں۔

بچے کو کس ترتیب سے مختلف بیماریوں کا ٹیکہ لگوائیں؟

اس کا دارومدار اس بات پر ہے کہ جس طبقہ یا ملک سے بچے کا تعلق ہے اس میں بیماریوں کی صورت حال کیا ہے۔ ہندوستان میں میرے خیال سے یہ اچھا ہے کہ بچے کو پیدائش کے تین مہینے کے اندر بی۔ سی۔ جی کا ٹیکہ لگا دیا جائے۔ ڈی۔ پی۔ ٹی اور پولیو کے قطرے چوتھے مہینے سے ایک ایک ماہ کے وقفے سے تین بار دینے چاہئیں۔ خسرہ کا ٹیکہ نو ماہ سے ایک سال کی عمر کے درمیان اور چیچک کا ٹیکہ ایک سال کی عمر میں لگانا چاہیے۔ ڈی۔ پی۔ ٹی اور پولیو کا پہلا بوسٹر اٹھارہ سے چوبیس ماہ کی عمر کے درمیان ہونا چاہیے اور دوسرا بوسٹر پانچ چھ سال کی عمر میں ہونا چاہیے۔ اس کے بعد ڈی ٹی (ڈپتھریا، ٹٹانس اور ٹائیفائڈ) ہر پانچویں سال لگنا چاہیے تاکہ ان امراض سے مستقل طور پر حفاظت ہو سکے۔

کیا یہ تمام ٹیکے ہمارے ملک میں موجود ہیں؟

خسرہ کے ٹیکے کے علاوہ باقی تمام ٹیکے ہندوستان میں ہر جگہ موجود ہیں۔ بعض مقامات پر خسرہ کے ٹیکے بھی مہیا ہیں لیکن اگر خسرہ کا ٹیکہ نہ بھی حاصل ہو سکے تب بھی باقی تمام ٹیکے ضرور لگوا دینا چاہئیں۔

ٹیکوں کے سلسلہ میں کیا احتیاطیں ضروری ہیں؟ کیا ان احتیاطوں کو نہ برتنے سے کوئی پیچیدگی پیدا ہو سکتی ہے؟

ٹیکوں کے معاملے میں بعض ضروری احتیاطیں ہیں جن کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہیے مثلاً پولیو کا ٹیکہ بچے کو بیماری کی حالت میں نہ دینا چاہیے بلکہ میں یہ کہوں گی کہ سارے ٹیکے اسی وقت لگائے جائیں جب بچہ پوری طرح تندرست ہو۔

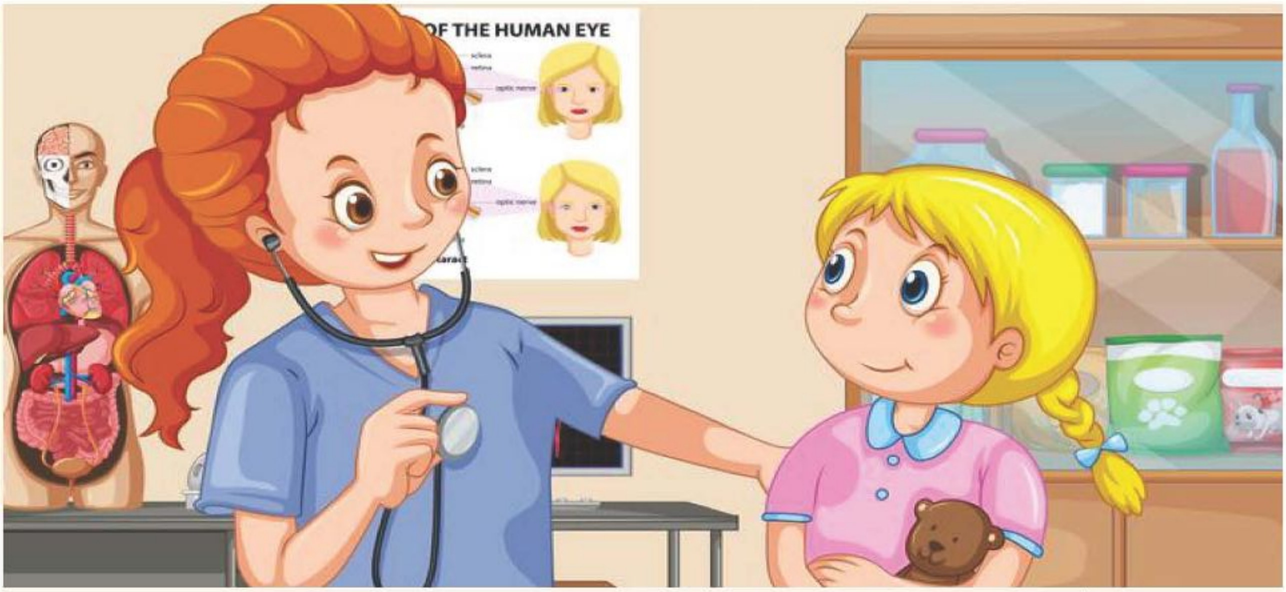

اگر بچے کو زکام، کھانسی، دست، بخار یا خارش وغیرہ کی بیماری ہو تو اس زمانے میں ٹیکے نہیں لگوانا چاہیے۔ ان حالات میں ٹیکہ لگوانے سے پہلے ڈاکٹر سے ضرور صلاح لینا چاہیے۔ اگر بچے کو کبھی دورے پڑ چکے ہوں تو بھی ڈاکٹر کے مشورہ کے بغیر اسے ٹیکے نہ لگوائیں۔

مختلف قسم کے ٹیکے مختلف قسم کی پیچیدگیوں کو جنم دے سکتے ہیں۔ سب سے پہلے ہم اس ٹیکے کو لیتے ہیں جس سے کوئی پیچیدگی پیدا نہیں ہوتی۔ پولیو کا ٹیکہ ہر قسم کی پیچیدگیوں سے محفوظ ہے۔ ڈی پی ٹی کے ٹیکے سے بچے کو ہلکا سا بخار ہو سکتا ہے جو 48 گھنٹہ میں خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔ اس بخار میں بچے کو میجرول (Majoral) یا بے بی اسپرین کی ٹکیہ دے دینا چاہیے۔ ان ٹیکوں سے بخار اتر جاتا ہے۔ جہاں تک چیچک کے ٹیکے کا تعلق ہے۔ اگر ٹیکے کی جگہ کی نگہداشت نہ کی جائے تو بہت سی پیچیدگیاں پیدا ہو سکتی ہیں حالانکہ قاعدے سے یہ پیچیدگیاں پیدا نہیں ہونا چاہیے ان ٹیکوں کے بعد بخار ہو جاتا ہے اور ٹیکوں میں سرخی اور سوجن پیدا ہو جاتی ہے۔ کبھی کبھی جلد پر چکتے بھی پڑ جاتے ہیں جو ابتدا میں خسرہ کی شکل کے ہوتے ہیں۔ جلد کی کوئی اور بیماری بھی ہو سکتی ہے۔ یہ چکتے جو سرخ رنگ کے ہوتے ہیں خود بخود ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ ایک ایسے بچے میں جو خارش میں مبتلا ہے بدن کے دوسرے حصوں میں ٹیکوں کے سے زخم پیدا ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے خارش یا دوسری جلدی بیماریوں کے زمانے میں ٹیکے لگوانا ٹھیک نہیں۔ بعض دوسرے قسم کی پیچیدگیاں بھی پیدا ہو سکتی ہیں لیکن یہ زیادہ عام نہیں ہیں۔ بی سی جی کا ٹیکہ عام طور پر چھ ہفتہ میں ٹھیک ہو جاتا ہے لیکن بعض دفعہ اس کی وجہ سے بغلوں اور جانگھوں میں گلٹیاں نکل آتی ہیں لیکن یہ کوئی تشویشناک بات نہیں ہے لیکن اگر یہ گلٹیاں چھ ہفتہ کے اندر ختم نہ ہوں تو ڈاکٹر کو دکھانا چاہیے۔ اس دوران ٹیکے کی جگہ پر کھرنڈ آ جاتا ہے۔ اگر کھرنڈ کے باوجود ٹیکے سے مواد خارج ہو رہا ہو تو ڈاکٹر کو دکھانا چاہیے لیکن ٹیکے پر کسی قسم کی کوئی دوا یا کوئی اور چیز ہر گز نہ لگانا چاہیے۔

چیچک کے ٹیکوں کے ردعمل کے بارے میں کچھ بتائیں اور یہ بھی بتائیں کہ ان کی دیکھ بھال کیسے کریں؟

چیچک کے ٹیکے تیسرے دن سرخ ہو جاتے ہیں۔ پانچویں دن سے ٹیکے اٹھنے لگتے ہیں۔ ساتویں دن وہ ابل سے جاتے ہیں۔ یہ کیفیت اڑتالیس سے بہتر گھنٹہ تک رہتی ہے۔ اس کے بعد یہ پھوٹ جاتے ہیں اور تین ہفتہ میں خشک

اٹھارہویں قسط

اردو زبان کا جادو

پیارے دوستو! 'بچوں کی دنیا' آپ سب کا اپنا رسالہ ہے۔ ہماری کوشش رہتی ہے کہ رسالے میں زیادہ سے زیادہ دلچسپ اور کارآمد تحریریں شائع کی جائیں۔ اِس رسالے کی اشاعت کا سب سے اہم مقصد یہ ہے کہ ہم اپنی زبان 'اردو' کو فروغ دیں اور زیادہ سے زیادہ لوگ اس زبان کو سیکھیں۔ کسی بھی زبان کو سیکھنے کے لیے اگر اس میں کھیل اور مزے کو شامل کرلیا جائے تو سیکھنے میں دلچسپی بڑھ جاتی ہے۔ ہم نے اردو زبان کے لسانی کھیلوں پر مشتمل ایک سلسلہ شروع کیا ہے جو قومی اردو کونسل سے شائع کتاب 'اردو زبان کا جادو' سے لیا گیا ہے۔ امید ہے کہ آپ سب اس سلسلے کو پسند کریں گے۔ (ادارہ)

اِس ذہنی آزمائش کے جوابات اِسی شمارے میں آپ کو مل جائیں گے۔

(18) پھول اور پرندہ

مقصد : حروف تہجی کی ترتیب کے اعتبار سے لفظوں کو لکھنا

ہدایت : نیچے ایک جدول میں پھول سے متعلق دس الفاظ دیے گئے ہیں، دوسرے میں پرندے سے متعلق دس الفاظ۔ ان الفاظ کو دی گئی تصویروں میں حروف تہجی کے اعتبار سے لکھیے۔ ایک کھلاڑی پھول سے متعلق الفاظ لکھے گا دوسرا پرندے سے متعلق۔

کھلاڑی:2 وقت:10 منٹ نمبر:10

1

	کلی	پنکھڑی	مرجھانا
رنگ	کھلنا	زرگل	دلکش
	ٹہنی	کمھلانا	مہکنا

2

رنگ		چونچ	پر
پاؤں	دم	نر	آنکھ
اڑان		قفس	مادہ

ڈاک ٹکٹ کا سفر

* ڈاک ٹکٹ اصلیت میں ایک ننھا سفیر ہے۔ ڈاک ٹکٹوں سے اس دیش کی کرنسی، وراثت اور تاریخ کا پتہ چلتا ہے۔
* 6 مئی 1840 کو انگلینڈ میں پہلا ڈاک ٹکٹ جاری ہوا۔
* ہندوستان میں یکم جولائی 1852 کو سندھ کے موجودہ کمشنر نے سندھ کے لیے پہلا ڈاک ٹکٹ جاری کیا۔
* 1 اکتوبر 1854 کو ہندوستان میں رانی وکٹوریہ پر ٹکٹ جاری کیا گیا۔
* آزادی کے بعد ہندوستان میں نومبر 1947 کو ساڑھے تین آنے کا ٹکٹ جاری ہوا۔
* 15 اگست 1948 کو مہاتما گاندھی پر یہ ٹکٹ سوئزرلینڈ سے چھپ کر آئے تھے۔
* ہندوستان میں پابندی سے ٹکٹوں کی چھپائی 15 اگست 1949 سے جاری ہے۔ اس سال 18 ٹکٹ جاری کیے گئے تھے۔
* ڈاک ٹکٹوں کو الگ الگ سبجیکٹ کے تحت جمع کیا جاسکتا ہے۔ جیسے جانور، پرندے، پھل و پھول، تتلیاں، کھیل کود، سیاسی/ سائنسداں/ فلمی کلاکار، شاعر، مصنف، عمارتیں، درخت، رقص وغیرہ وغیرہ۔

یوں تو ہمارے یہاں ہر سبجیکٹ پر ٹکٹ جاری ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ 'قومی نشان' پر کچھ خاص کا ذکر مندرجہ ذیل ہے:

(1) قومی پرچم پر ٹکٹ 21 نومبر 1947
(2) قومی نشان 'تری مورتی' پر 15 دسمبر 1947
(3) 'قومی ترانہ' (نیشنل اینتھم) کے تخلیق کار رویندر ناتھ ٹیگور پر 1 اکتوبر 1952
(4) قومی جانور 'باگھ' پر 7 اکتوبر 1963
(5) قومی پھل 'آم' پر 15 مارچ 1967
(6) قومی پرندہ 'مور' پر 14 نومبر 1973
(7) قومی گیت 'وندے ماترم' کے تخلیق کار بنکم چندر چٹر جی پر 30 دسمبر 1976
(8) قومی پھول 'کنول' پر 1 جولائی 1977

محکمہ ڈاک ٹکٹوں کے علاوہ First Day Cover, Miniatures, folder, Block of four etc بھی جاری کرتا ہے۔ محکمہ ڈاک نے "My Stamp" عنوان سے بھی ایک سلسلہ شروع کیا ہے جسے خود کی تصویر کے ساتھ ٹکٹ چھپوا کر ڈاک بھیجنے میں استعمال کر سکتے ہیں۔

■

مراسلہ: سید وحیدالدین پیرزادہ
چندرکلا، برہانپور (ایم پی)

چمن چمن کے پھول

شاعری میں بڑی طاقت ہے اس سے تحریر وتقریر میں تاثیر پیدا ہوتی ہے، خطاب میں زور اور تحریر میں قوت پیدا کرنے کے لیے اشعار کا استعمال بہت کارگر ہوتا ہے۔ پرانے زمانے کے لوگوں کو استاد شعرا کے ہزاروں اشعار یاد ہوا کرتے تھے اور وہ موقعے کی مناسبت سے ان اشعار کا استعمال بھی کیا کرتے تھے۔

’چمن چمن کے پھول‘ میں مختلف رنگ اور شاعروں کے شعر اس لیے دیے جاتے ہیں تاکہ بچے موضوع کی مناسبت سے اچھے اشعار یاد کریں اور اپنی تحریر وتقریر میں اشعار کا موزوں اور برمحل استعمال کرسکیں۔ (ادارہ)

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

اقبال

چلا جاتا ہوں ہنستا کھیلتا موجِ حوادث سے
اگر آسانیاں ہوں زندگی دشوار ہو جائے

اصغر گونڈوی

ہم کو مٹا سکے یہ زمانے میں دم نہیں
ہم سے زمانہ خود ہے، زمانے سے ہم نہیں

جگر مرادآبادی

سرخرو ہوتا ہے انساں ٹھوکریں کھانے کے بعد
رنگ لاتی ہے حنا پتھر پہ گھِس جانے کے بعد

سید غلام محمد مست کلکتوی

آتا ہے جو طوفاں آنے دے کشتی کا خدا خود حافظ ہے
مشکل تو نہیں ان موجوں میں بہتا ہوا ساحل آجائے

بہزاد لکھنوی

حیات لے کے چلو کائنات لے کے چلو
چلو تو سارے زمانے کو ساتھ لے کے چلو

مخدوم محی الدین

یقیں کے نور سے روشن ہیں راستے اپنے
یہ وہ چراغ ہیں طوفاں جنھیں بجھا نہ سکا

وجاہت علی سندیلوی

تو بے وفا ہے پھر بھی مرے دل کے پاس رہ
وہ حوصلہ کہاں کہ تجھے پا کے کھو سکوں

قیصر الجعفری

کہو آندھیوں سے آئیں، کہو آگ سے جلائے
یہ رہا مرا نشیمن کوئی آنکھ تو اٹھائے

بشیر بدر

ہر اک سفر کو محفوظ راستوں کی تلاش
حفاظتوں کی روایت بدل سکو تو چلو

ندا فاضلی

شاخوں سے ٹوٹ جائیں وہ پتے نہیں ہیں ہم
آندھی سے کوئی کہہ دے کہ اوقات میں رہے

راحت اندوری

■

ماخذ: رنگا رنگ اردو شاعری، مرتب: ٹی این راز، سنہ اشاعت: 2020، ناشر: ایم آر پبلی کیشنز، نئی دہلی

آسیہ نثار احمد کتور، سرکاری اردو مدرسہ نمبر 2، بیل ہونگل، کرناٹک

سارا حیات، کے جی II، اندل ماڈل اسکول، مغربی بنگال

منزہ صدف آصف اقبال انصاری، درجہ پنجم، عبدہ عبدالمغنی گرلس اسکول، مہاراشٹر

سلمہ شوکت علی بیوپاری، درجہ ہفتم
گورنمنٹ اردو ہائر پرائمری اسکول نمبر 2، بیل ہونگل، کرناٹک

سیدا دینہ بتول محمد ندیم، درجہ ہفتم، الہدیٰ پرائمری اردو اسکول، بیڈ، مہاراشٹر

زینب عالیہ بنت مصباح، درجہ چہارم، کیندریہ ودیالیہ گچی باؤلی حیدرآباد

ایک کلک پر ادب اطفال کا بیش بہا خزانہ

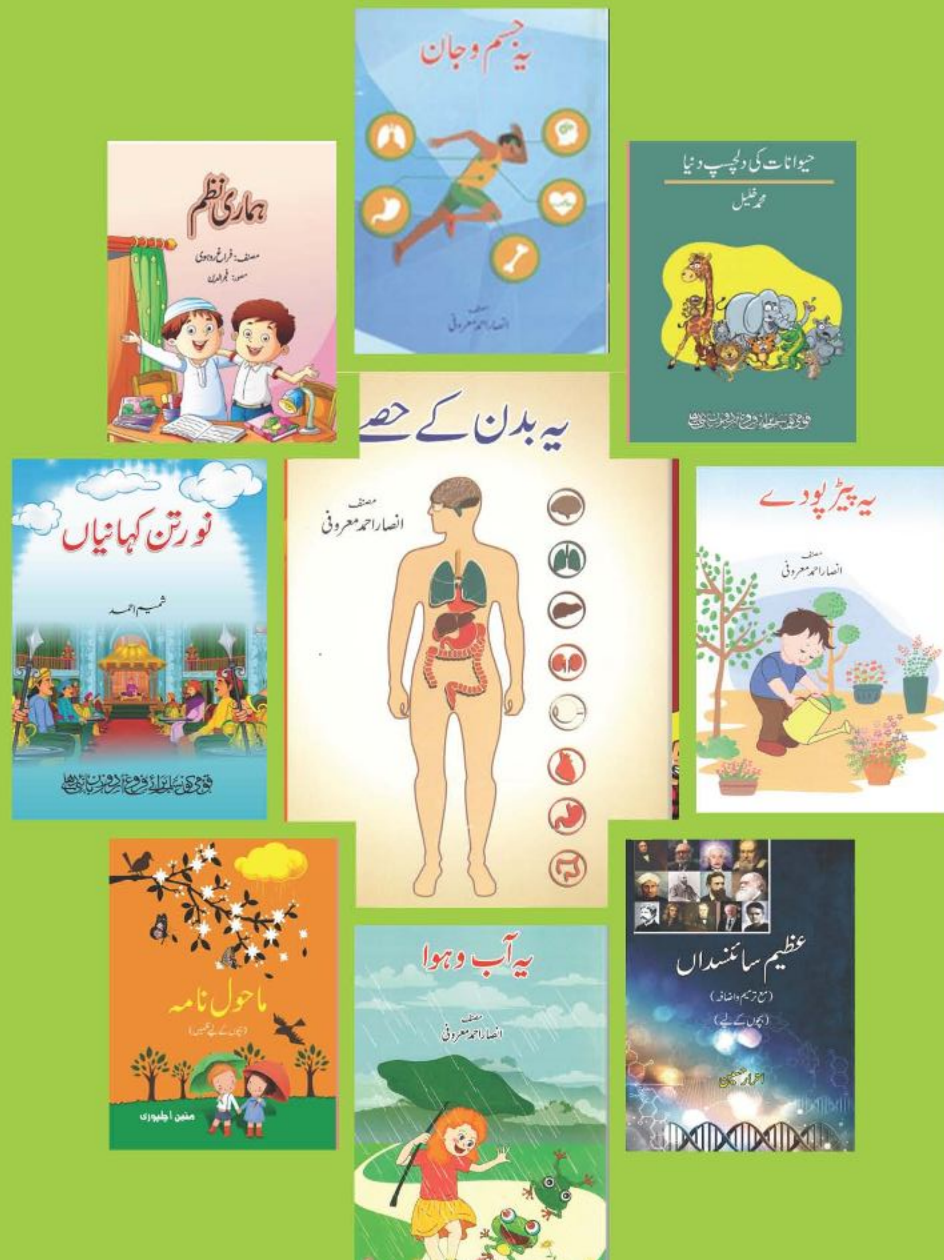

پیارے بچو! آپ کے ذوق کی کتابیں اگر نہیں مل پارہی ہیں تو مایوس نہ ہوں۔قومی اردو کونسل کے موبائل ایپ (ekitaab) اور ویب سائٹ (https://www.urducouncil.nic.in/) پر آپ کے لیے بہت سی مفید کتابیں موجود ہیں۔اسے آپ ڈاؤن لوڈ کر کے پڑھ سکتے ہیں۔

BACHON KI DUNIYA Monthly, December 2020 Vol. 08, Issue: 12
National Council for Promotion of Urdu Language
Ministry of Education, Department of Higher Education, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
DL(S) - 01/3439/2019-21
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/11/2020
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month

سوچھ بھارت
ایک قدم صفائی کی جانب

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دل چسپ کتابیں

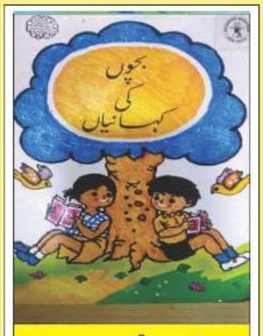

صفحات:112، قیمت:25 روپے

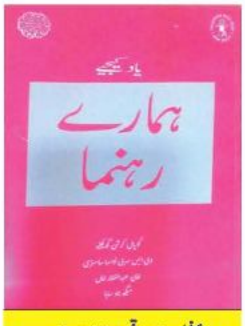

صفحات:106، قیمت:35 روپے

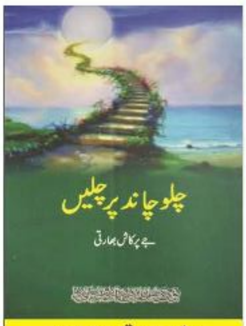

صفحات:48، قیمت:16 روپے

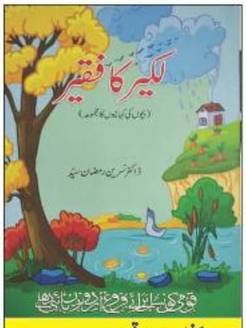

صفحات:82، قیمت:35 روپے

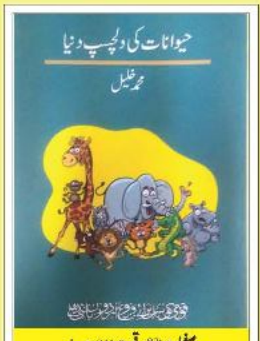

صفحات:83، قیمت:24 روپے

صفحات:61، قیمت:20 روپے

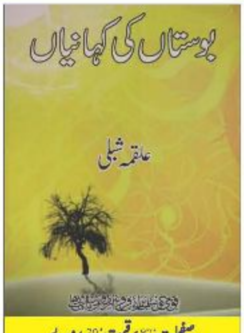

صفحات:87، قیمت:20 روپے

صفحات:61، قیمت:20 روپے

خریداری کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066
فون:011-26109746، فیکس:011-26108159، E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

Printed and Published by Dr. Aquil Ahmad, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language, and printed at S. Narayan and sons, B-88 Okhla Indl. Area Phase II, New Delhi - 110020
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.